سہرورد

سلسلۂ تنویر تصوف

سلسلہ نمبر ۸



زیر نگرانی :

حضرت صوفی **ابو نصیر محمد غوری** سہر وردی

ثم لاہوری دائم بر کاتہم

مقالہ نگار حضرات سے التماس

- سُہروَردمیں تصوف کے مسائل ومضامین کے علاوہ علوم قرآن وحدیث اور فلسفہ پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے مقالات شائع کئے جاتے ہیں۔
- مقالاجات ٹائپ شدہ یا خوشخط لکھے ہوتے ہوں اور ان کی ضخامت بیس پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔
- حوالہ جات وحواشی ضروری تفاصیل کے ساتھ آخر میں دیئے جائیں۔
- فاؤنڈیشن کی طرف سے مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں ۱۰ مطبوعہ نقول پیش کی جائیں گی۔
- سال بھر شائع شدہ مقالہ جات میں سے دو مقالوں کو ایوارڈ دیا جائے گا۔ جن میں سے ایک چالیس ۴۰ سال سے زیادہ اور ایک چالیس ۴۰ سال سے کم عمر محقق کے لئے مخصوص ہوگا۔
- علمی کتابوں پر تبصرے کے لئے مدیر "سُہروَرد" کو دو نُسخے ارسال کئے جائیں

مدیر، سُہرورد
سہروردیہ فاؤنڈیشن

سہرورد

سلسلہ نمبر ۸ — سلسلۂ نشر تصوف

بیاد گار

اسوۃ الواصلین حضرت شرف الدین المعروف بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ
حجۃ الکاملین حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ
مجدد سلسلۂ سہروردیہ حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

زیر نگرانی
حضرت محمد نذیر غوری سہروردی ثم لاہوری دام برکاتہم

فہرست مطالب

قیمت = ۲۵/ روپے
سالانہ چندہ (علاوہ ڈاک خرچ) = ۱۰۰/ روپے

محل نشر: سہروردیہ فاؤنڈیشن - ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور - ۶ فون ۲۲۲۷۸۴ / ۲۲۲۵۲۲

✿ سہرورد

✿ کتابت : عبدالجبار

✿ مطبع : گرافک الیون

✿ صفحہ بندی : جاوید حیدر سہروردی

✿ خوشنویسی عنوان سہرورد : سید ادریس علی سہروردی

✿ خوشنویسی فہرست مطالب : ہاشم الاعظمی (فیضان پردیس)

✿ محل نشر : سہروردیہ فاؤنڈیشن۔ ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور۔ ۶

✆ - ۲۲۲۷۸۳ / ۲۲۲۵۲۲

مہر و ما : جنوری ۱۹۸۹

گفتگو

بسمہٖ سبحانہٗ

شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ (۱۳۰۵ھ - ۱۳۷۸ھ) طریقت سہروردیہ کے مہتاب تھے۔ آپ ایک عرصہ آسمانِ ولائیت پر جلوہ افروز رہے۔ آپ نے اُس وقت سلسلۂ سہروردیہ کا فیض برصغیر پاک و ہند میں عام فرمایا۔ جس وقت سلسلۂ سہروردیہ سے متعلق خانقاہیں جاگیروں اور گدیوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کے انقلاب افروز دروس طول و عرض میں دینے کے علاوہ اپنے متبعین کی ایک ایسی جماعت تیار فرمائی۔ جن کے ماتھے آقا و مولا فدائے امی و ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے روشن تھے۔

سلسلۂ سہروردیہ کو آپ کے دم سے ایک نئی زندگی عطا ہوئی۔ آپ سے جو فیوض و برکات ہم تک پہنچیں، اسی کے اعتراف اور جو علمی و روحانی شمع آپ نے روشن فرمائی، اکنافِ عالم میں اس کی ضیاء پاشی کے لئے ہم نے سہروردیہ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی اور مجلہ سہرورد کا اجراء کیا گیا۔ پیشِ نظر مجلّہ کی آٹھویں اشاعت ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتب زیرِ اشاعت ہیں۔

۱۔ دو فتوت نامے حضرت شیخ الشیوخ بمعہ فارسی متن (یہ اردو زبان میں پہلی بار طبع ہو رہے ہیں)

۲۔ اردو ترجمہ رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ

حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہٗ نے ایک ضخیم کتاب فلسفہ یونان کے ردّ میں لکھی۔ اس کا اُردو ترجمہ زیرِ تکمیل ہے۔ (ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات ہوگی۔

۳۔ ترجمہ فارسی " الفقر و فخری "۔

شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کی علم تصوّف پر ۱۳ ویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی بہترین تصنیف ہے۔

ان کے علاوہ کئی پراجیکٹ اور دیڑھ نامے زیرِ غور ہیں۔

و باللہ التوفیق

اللہ ولی و غنی کی رحمتوں کا محتاج

سید ادیس علی سہروردی

اسلامی خطاطی

خطاط المشرق محمد صدیق الماس رقم ؒ تلمیذ حکیم محمد عالم گوہر رقم ؒ

ولادت ۱۲ / اکتوبر ۱۹۰۷ء (لاہور)، وفات ۳۰ / مارچ ۱۹۷۲ء (لاہور)

آپ کو خط نستعلیق کے چوٹی کے خطاطوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد دہلی سے بھی وابستہ رہے۔ مختلف رسائل و جرائد کے لوحے اور کتب کے سرورق آپ کے کمال فن کی گواہی دیتے ہیں۔

تبلیغِ اسلام اور صوفیائے کرام

مہتابِ سلطریقت سہروردیہ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

(۱۳۰۵ھ - ۱۳۷۸ھ)

یہ مسئلہ کہ تصوف کیا چیز ہے اور عوام الناس کے سامنے اس کے عبادات کے سوا اور کچھ بالتصریح بیان کرنا کیوں ناروا ہے۔ مشاہیر صوفیان کرام و درویشان عظام کے حالات و کمالات معلوم کرنے اور ان کی معتبر تصانیف کے مطالعہ سے ہی پتہ چل سکتا ہے۔ تصوف اپنے عملی پہلو کے لحاظ سے ایک وہ طریق کار ہے۔ جس کی ابتدا آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی اور یوں کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ امی وابی) کے باطنی و صدری کوائف اور رب العزت کے حضور میں وہ پاکیزہ و پسندیدہ ادائیں (جو اعلان نبوت سے قبل اور اظہار نبوت کے بعد حصول معرفت و خوشنودیٔ باری تعالیٰ کے معاملہ میں ظہور میں آئیں) کا نام تصوف ہے۔ مگر بعض مخالفینِ تصوف نے اہل تصوف کے تبتل معاملہ میں اور ترکِ دنیا کے خیال کو، جو کسی خاص سبب سے ایک وقت معین کے لئے اہل تصوف میں پایا گیا ہے۔ نہایت غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے رہبانیت کی سرحد میں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی اخلاقی کمزوری ہے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جب ایک طالب علم حصول دین کے لئے ایک کاریگر حصولِ معاش کے لئے، ایک سیاح اپنے مشن کے لئے، ایک ملازم اطاعت حکمران کے لئے اگر سالہا سال تک گھر اور وطن سے دور رہتا ہے اور اس کی زندگی پر رہبانیت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تو پھر کیا یہ نافہمی نہیں کہ ایک حق کے متلاشی نے اسی طالب علمانہ طریق پر اگر چند سال زہد و ریاضت میں گزار دیے یا اصلاح نفس کے لئے کچھ عرصہ کسی پیر طریقت کے ارشاد پر بادیہ پیمائی کی تو اس پر جھٹ کیوں رہبانیت ٹھونس دی جاتی ہے جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین کی مقدس جماعتوں میں بھی خود ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کا وہی عمل تھا۔ جو آج کل کے ایک خدا شناس صوفی کا ہے اور حضور علیہ السلام نے ان کو صوفی کے اس کام سے نہ مطعون فرمایا اور نہ ہی

---

* ۱۳۰۵ھ - ۱۳۷۸ھ

مولف: الفقر فخری، جمالِ الٰہی، جمالِ رسولؐ، قصیدہ غوثیہ، سیاح اللامکاں۔

ان کے اس عمل کو رہبانیت کی کڑی سے تعبیر کرنے کا حکم دیا۔

شرعِ ظاہر اور علم باطن کی تعلیم بھی جیسا کہ آگے آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ساتھ ہی جاری فرمائی تھی۔ عوام الناس کے لئے علم ظاہر تھا اور جو اہل تھے علم ظاہر کے ساتھ انہیں تعلیم علوم باطنی بھی دی جاتی تھی۔ جس کی مجالس جداگانہ ہوتی تھیں اور اس طرح اکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سینوں میں اسلامی یونیورسٹی سے باکمال ہو کر نکلتے تھے۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخر دورِ خلافت تک اکابرین اسلام میں علوم ظاہری و باطنی ساتھ ساتھ تھے لیکن اس کے بعد جب فتنہ و فساد کا زمانہ آیا اور یہ طوفان اپنا اثر چھوڑ کر گزر گیا تو علوم باطن کے جاننے والوں کا گروہ الگ نظر آنے لگا۔ لیکن اس گروہ کے اولوالعزم حضرات نے اپنی سابقہ خدمات سے بھی پہلوتہی نہیں کی۔ جہاں شرع ظاہر کے پھیلانے والے اور کفر کے تودوں کو ہموار کرنے والے مسلح ہو کر صف آرائی کرتے تھے، وہاں اہل باطن بھی اپنے اوزار حمائل کئے اور مصلے ساتھ لئے ہوئے برابر موجود رہتے تھے۔ جہاں مجاہدین کا گروہ اسلامی تہذیب سے لوگوں کی آنکھیں خیرہ کرتا تھا، وہاں پچھلا گروہ بھی نورِ معرفت الٰہی سے سینوں کو منور فرماتا تھا اسلام کی خوبیوں کا ڈنکا جن باتوں سے تمام عالم میں بجا۔ ان میں دونوں گروہوں کی مساعی جمیلہ مشترک ہیں۔ بلکہ پچھلا گروہ شریک غالب ہے۔ رفتہ رفتہ پچھلے گروہ نے اپنے عمال کے درجے قائم کئے اور ان عمال نے اپنی خفیہ کوششوں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں وہ کارہائے نمایاں دکھائے، جو اپنی مثال آپ ہیں۔ پہلا گروہ نہ صرف گروہ ثانی کا احسان مند رہا بلکہ اس کا ادب و احترام کرنا اپنے لئے فلاح دارین سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خانقاہیں دارالامارت پر حکمران تھیں۔ جن کا کچھ کچھ پتہ عام پسند حکایات سے بھی چلتا ہے۔ یعنی جہاں دارالامارت کے مفتیوں اور قاضیوں کی مضحکہ آمیز حکایات زبان زدِ خلائق ہیں۔ وہاں خانقاہی درویشوں کے قصرجات بھی اس مبالغہ سے بیان کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں رہتی۔ گو یہ مبالغہ کا حُسن پسندیدہ نہیں۔ تاہم یہ بتانا مقصود ہے کہ سکناتے خانقاہ سے بوجہ ان کے محاسن کے عوام کو جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں، کس درجہ خوش عقیدتی تھی اور یہی خوش عقیدتی بڑی حد تک اسلام پھیلنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ مثلاً شاہ قطب الدین ایبک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی زمانہ ہے۔ قطب الدین ایبک کو اس کے آقا نے ہندوستان پر مامور کیا اور خواجہ صاحب کو ان کے پیشوا نے اجمیر بھیجا مگر قطب الدین

ایبک سے وہ خدمت اسلام انجام نہ پائی۔ جس کا ظہور خواجہ صاحب کی ذات گرامی سے ہوا۔ لوگوں نے غلط اتہام مسلم شاہان ہند پر لگاتے ہیں کہ انہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلایا ہے۔ حالانکہ قطب الدین ایبک کو ملکی فتوحات کا شوق تھا۔ اشاعت اسلام سے اس کو واسطہ نہ تھا اور اسلام کی خوبیاں بذریعہ درویشانہ کمالات کے دکھا کر لوگوں کے دل مسخر کرنا خواجہ صاحبؒ کا کام تھا۔ اور اسلام کی جو روشنی ہندوستان میں پھیلی۔ اس کا اکثر حصہ خواجہ صاحبؒ ہی کے باطنی کمالات کا مرہونِ منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء کی اصطلاح میں خواجہ صاحبؒ کو سلطان الہند کہتے ہیں۔

یہ غیر مناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم یہاں پر صوفیائے کرام کی تبلیغی خدمات مجمل طور پر بیان کر دیں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں فریضۂ تبلیغ اسلام جس جماعت نے باحسن وجوہ ادا کیا۔ وہ صوفیا ہی کی جماعت ہے۔ انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا اور اسے پورے طور پر ادا کیا۔ یہ ان کے نفوس قدسیہ کا اثر ہے کہ آج اس برصغیر میں دس کروڑ کے قریب مسلمان موجود ہیں۔ اگر وہ بھی دوسری جماعتوں کی طرح تغافل و تساہل سے کام لیتے اور اس فریضہ کی جانب توجہ نہ دیتے تو اس کفرستان میں نہ توحید کا چراغ روشن ہوتا اور نہ ہی فرزندان اسلام نظر آتے۔

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سب سے پہلا مبلغ جو یہاں وارد ہوا۔ وہ شیخ اسماعیل محدث بخاریؒ تھے۔ (۱) وہ یہاں اس زمانے میں وارد ہوئے۔ جب سرزمین پنجاب ہندو راجاؤں کے زیر نگیں تھی اور محمود غزنوی اور اس کے جاں نثار سپاہی اس خطہ کو روند رہے تھے۔ شیخ محمد اسماعیلؒ بخارا کے سید تھے اور علوم ظاہر و باطن میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ وہ ۱۰۰۵ء کو لاہور وارد ہوئے اور وعظ و تذکیر کے ذریعے تبلیغ اسلام شروع کی۔ آپ کا وعظ اتنا پُر تاثیر ہوتا تھا کہ ایک ایک مجلس میں صدہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے تھے۔ چنانچہ مفتی غلام سرور اپنی مشہور کتاب خزینۃ الاصفیا میں فرماتے ہیں۔ (۲)

"چوں شیخ اسماعیل در لاہور تشریف آورد۔ بروز جمعہ ثانی پانصد و پنجاہ و بروز جمعہ ثالث یک ہزار کس در زمرۂ اہلِ توحید داخل گشتند"

نیز صاحب تذکرہ علمائے ہند ان کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (۳)

"از علمائے محدثین و مفسرین بود۔ اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث در لاہور آورد۔ ہزارہا

مردم در مجلس وعظ دمی مشرف باسلام شدند۔ در سال چہار صد چہل و شصت ہجری
در لاہور در گذشت۔"

اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جس بزرگ نے شیخ الاسلام سے بھی زیادہ کام کیا اور جس کا نام آج بھی ہر
خاص وعام کی زبان پر ہے۔ وہ غزنی کے مشہور صاحب دل بزرگ شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ
علیہ ہیں۔ جنہیں زبان خلق حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ آپ ۱۰۰۹ء
میں پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک میں سفر کرنے اور بہت سے پیران طریقت سے فیض حاصل
کرنے کے بعد آپ لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو اور ساتھی بھی تھے اور یہ زمانہ سلطان
مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کا تھا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ درس وتدریس
کے ساتھ آپ نے تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ جس سے بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر مشرف
بہ اسلام ہوئے۔ فیض یافتہ حضرات کی صف میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ
علیہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور جب وہ آپ کے روحانی
فیوض وبرکات سے بہرہ اندوز ہوئے تو اس روحانی سکر ومستی کی حالت میں یہ شعر بے اختیار ان کی
زبان پر جاری ہو گیا ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

آپ ۱۰۷۲ء مطابق ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے بعد پنجاب میں رشد و
ہدایت اور دعوت وتبلیغ کا کام حضرت سلطان سخی سرور سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے شد ومد سے
کیا۔ آپ ملتان کے قریب دھاریں ایک گاؤں موضع کرسی کوٹ میں پیدا ہوئے۔ سلطان سخی سرور یا
لکھ داتا آپ کا لقب تھا۔ (۳) علوم ظاہری آپ نے لاہور آکر مولانا محمد اسحاق لاہوری سے حاصل کئے۔
(۴) اور علوم باطنی آپ نے اپنے بزرگوار سے اور شیخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
سے حاصل کئے۔ ریاضت وعبادت کے لئے آپ نے اپنا پہلا مرکز موضع سوہدرہ کو قرار دیا اور تھوڑے
ہی دنوں میں آپ کو وہ مقبولیت حاصل ہو گئی کہ ہر وقت خلقت کا ہجوم آپ کے گرد رہتا اور جو آپ
کی خدمت میں حاضر ہوتا، دلی مراد پالیتا۔ اس بنا پر آپ کا لقب سخی سرور مشہور ہو گیا۔ سوہدرہ سے آپ

دھونکل تشریف لاتے اور ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے۔ یہاں سے اٹھے تو ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں شاہ کوٹ کو اپنا تبلیغی مرکز قرار دیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔ وہاں سے پھر شاہ کوٹ واپس آ گئے اور کبھی بھی فریضۂ تبلیغ سے غافل نہ ہوئے بلکہ پورے انہماک اور کامل سرگرمی سے ادا کرتے رہے۔ آخر میں آپ کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے۔ انہوں نے موقع پاکر آپ کو ۷۷۵ھ میں شہید کر ڈالا۔

سلطان سخی سرور سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ کے معتقد نہ صرف مسلمان ہی تھے بلکہ دوآبہ کے اکثر ہندو اور سکھ بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔ انہیں سلطانی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر سال وسط فروری میں آپ کے مزار کی زیارت کے لئے قافلے بنا کر اپنے اپنے گاؤں سے نکلتے ہیں اور ڈیرہ غازی خان کا رُخ کر لیتے ہیں۔ سکھوں کے عہد حکومت میں ملتان کے گورنر دیوان ساون مل نے تعصب اور تنگ نظری کی بناء پر یہ سلسلہ روکنا چاہا مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر جل کر اس نے ہر ایک یاتری سے سوا روپیہ یاترا ٹیکس وصول کیا مگر یہ بھی بے اثر ثابت ہوا۔ زیارت کا یہ سلسلہ تقسیم ہندوستان تک برابر جاری رہا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا مقام ہندوستان کے صوفیائے کبار میں بڑا ہے۔ انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے تبلیغ اسلام کا عَلَم سب سے پہلے اس کفرستان میں بلند کیا۔ ان کی کتاب فارسی زبان میں تصوف پر لکھی ہوئی اوّلین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ جسے اہل تصوف اور اہل علم سر آنکھوں پر اٹھاتے ہیں۔ ان خصوصیات کے باوجود انہیں ہندوستان کے صوفیائے کبار میں وہ مقام اور درجہ حاصل نہیں جو خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کو ہندوستان میں حاصل ہے کیونکہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اجمیر میں بیٹھ کر جو بیج بویا۔ وہ اُگا، تناور درخت بنا، پھلا پھولا اور تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ خواجہ معین الدین کے معاصرین میں میر سید حسن خنگ سوار اور سید علاؤالدین نندباری بہت زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ موخرالذکر نے خاندیش کے علاقہ نندبار میں تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ آپ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے ۶۱۲ھ میں شہید ہو گئے۔

اس وقت ملتان پنجاب کا روحانی مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں سلسلۂ سہروردیہ کے نامور شیخ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ مقیم تھے اور تمام مغربی پنجاب کو اپنی زبردست شخصیت سے متاثر کر رہے

تھے۔ آپ ۱۱۸۲ء/ ۵۷۸ھ کو پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے لئے بلخ، بخارا، بیت المقدس اور بغداد کا سفر کیا اور بڑے بڑے مشائخ اور علماء سے فیض حاصل کیا۔ آخر آپ شیخ العالم، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی تربیت اور باطنی تعلیم حاصل کی اور سترہ دن میں خلعتِ خلافت حاصل کیا۔ اس وقت آپ کو شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ ملتان واپس جاؤ۔ وہ تمہارا وطن ہے۔ وہاں کی ہدایت تمہارے ذمہ ہے۔ آپ اپنے شیخ کے حکم سے ملتان آئے اور درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ مغربی پنجاب اور سندھ کا علاقہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ کبھی کبھی آپ دہلی بھی تشریف لے جاتے۔ وہاں کے لوگ بھی آپ کو سر آنکھوں پر جگہ دیتے اور بڑے ادب سے پیش آتے۔ عام تذکروں میں ہے کہ جب آپ اپنے پیر طریقت کے حکم سے ملتان پہنچے تو وہاں کے علماء اور مشائخ کو آپ کا وہاں آنا شاق گزرا۔ ان کے دلوں میں انقباض پیدا ہوا۔ چنانچہ اس بات کے اظہار کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک پیالہ دودھ سے لبالب بھرا اور اسے آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ملتان کے شہر میں اہل اللہ اس کثرت سے موجود ہیں کہ یہاں اب کسی اور کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ آپ ایک ہی نظر میں ان کا مطلب بھانپ گئے اور نہایت لطیف پیرایہ میں اس کا جواب دیا کہ گلاب کا ایک پھول لے کر دودھ کے پیالہ میں رکھ دیا۔ (*) جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں تم میں اس طرح رہوں گا۔ جس طرح یہ پھول دودھ کے پیالہ میں ہے۔ آپ کے اس جواب سے ساری کدورت دور ہو گئی اور آپ کی ذہانت اور نکتہ آفرینی پر سب عش عش کر اٹھے۔

اب آپ نے اطمینان سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا اور دور و نزدیک سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے شروع ہوئے۔ ان میں شیخ فخر الدین عراقی بھی تھے جو فارسی زبان کے مشہور شاعر تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر نے چند ایام میں انہیں ولایت کے مقام پر پہنچا دیا۔

آپ کے زمانہ میں ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ وہ سلطان محمد غوری کا غلام تھا۔ جب شمس الدین

---

* مجلہ "سہروردیہ" کا نام دو نسبتوں سے سہروردیہ رکھا گیا ہے۔ اول:۔ سہروردیہ کا ایک معنی گلاب کا پھول بھی ہوتا ہے۔ دوم:۔ زیر نظر واقع کی نسبت سے۔

التمش دہلی کا بادشاہ ہوا تو ناصر الدین قباچہ کے دماغ میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ منصوبے تیار کرنے لگا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کو جب اس کے ارادوں کا علم ہوا تو انہوں نے بلاکم و کاست سارا واقعہ التمش کو لکھا۔ اتفاقاً یہ خط قباچہ کو مل گیا۔ وہ اسے پڑھ کر بڑا برافروختہ ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ شیخ کو حاضر کیا جائے۔ جب آپ حاضر ہوئے تو اس نے بازپرس شروع کی۔ شیخ نے یہ اعتراف کیا کہ خط انہوں نے لکھا ہے کیونکہ وہ پسند نہیں کرتے کہ جنگ و جدل ہو اور مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ قباچہ اس جواب سے خاموش ہو گیا۔ آپ کی وفات ۶۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار ملتان میں ہے۔ جہاں ہر سال عرس منایا جاتا ہے اور ہزاروں آدمی اس میں شریک ہوتے ہیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف سہروردی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ تبلیغ و دعوت اسلام کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کے بعد شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے جانشین ہوئے وہ اپنے دادا شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے۔ دہلی کا شہنشاہ علاؤالدین خلجی آپ کا بیحد معتقد تھا۔ جب آپ کو ایک دو مرتبہ دہلی جانا پڑا تو خود علاؤالدین خلجی آپ کے استقبال کے لئے آیا اور رخصت کے وقت دو لاکھ رائج الوقت سکے آپ کی نذر کئے۔ آپ نے یہ سب رقم غریبوں، محتاجوں اور مستحقوں میں تقسیم فرمادی۔

جب علاؤالدین خلجی کی وفات ہوئی تو اس کا بیٹا مبارک خلجی تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اس وقت دہلی میں شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ تبلیغ میں مشغول تھے۔ مبارک کے تعلقات ان سے خوشگوار نہ رہے۔ اس نے رکن الدینؒ کو دہلی طلب کیا تاکہ وہ شیخ نظام الدین کو نیچا دکھائیں مگر آپ بادشاہ کے روبرو اس تپاک اور گرمجوشی سے ملے کہ بادشاہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ بالکل مایوس ہو گیا ایک مرتبہ بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا کہ جب آپ دہلی تشریف لاتے تھے تو اہل شہر میں سے سب سے پہلے کون آپ کے استقبال کے لئے آیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جو شہر میں سب سے بہتر ہے۔ بادشاہ اس جواب سے اور جل گیا۔ اب آپ نے دہلی میں مستقل قیام اختیار کیا اور حضرت محبوب الٰہیؒ سے پرلطف صحبتیں رہنے لگی۔ جب محبوب الٰہی کا انتقال ہوا تو آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی

آپ نے بڑی لمبی عمر پائی اور بہت سے بادشاہوں کو تخت پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ آخر ۶۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے خلفاء میں سے شیخ وجیہہ الدین عثمانؒ اور مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے آپ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔

ملتان کے بعد پنجاب میں اُچ ایک ایسا مقام تھا جو اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام میں تبلیغ اسلام کا زبردست مرکز تھا۔ یہاں سے اسلام کی کرنیں راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب میں پھیل گئیں اُچ ایک قدیم قصبہ ہے اور پنج ند کے قریب واقع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ محلہ گیلانیاں اور محلہ قادریاں۔ اول الذکر میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ رہتے تھے اور مؤخر الذکر میں سہروردی سلسلہ کے مشائخ اقامت پذیر تھے۔ سب سے اول ۶۴۲ھ میں یہاں پر شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانیؒ کے خلیفہ سید جلال الدین سرخ پوش بخاری تبلیغ کے لئے وارد ہوئے اور محلہ بخاریاں کی بنیاد ڈالی۔ یہ زمانہ تھا۔ جب یہاں ہندو اور غیر مسلم ہی آباد تھے۔ اس لئے اسے دیو گڑھ کہتے تھے آپ نے اپنے قیام کے دوران میں سینکڑوں راجپوت قبیلوں کو مسلمان کیا۔ آپ ۹۵ برس کی عمر میں ۶۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کے بعد شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے ایک اور خلیفہ شیخ موسیٰ نواب اُچ آئے۔ ان کے ہاتھ پر دو راجپوت قبیلے مسلمان ہوئے۔ آپ کے بعد مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے اشاعت اسلام کا فریضہ باحسن وجوہ ادا کیا۔ قبیلہ لون مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مخدوم لال شہباز قلندرؒ نے سندھ کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنایا۔ آپ سلسلہ سہروردیہ سے وابستہ تھے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے مرید تھے۔ آپ کا قیام زیادہ تر سیوستان میں رہا۔ جہاں آپ کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ سرخ لباس پہنتے تھے۔ اس لئے آپ کے ارادت مند عوام آپ کو لال شہباز کہتے تھے۔ اس بناء پر آپ کے وابستگان دامن بھی لال شہبازیہ کہلائے۔ یہاں پر بحوالہ کتاب آب کوثر یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو ہے اور فی الواقع اس میں کئی خصوصیات ایسی تھیں۔ جنہیں ہندوستانی حالات خاص طور پر سازگار تھے۔ (مثلاً موسیقی اور سماع کا رواج ادبیت اور شعر و شاعری سے انس، ملامت، غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری) جنہوں نے اس کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مدد کی۔ مسلمانوں کی روحانی تربیت میں بھی اس سلسلہ کے بزرگان

کبار نے بڑا حصہ لیا لیکن سہروردیہ سلسلہ بھی چشتیہ کی طرح بہت پرانا ہے اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھی بہت بھاری ہے ۔

کشمیر میں اسلام کبرویہ سلسلہ کے بزرگوں (مثلاً امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی) نے پھیلایا۔ (۵) جو سہروردیوں ہی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے ۔ بنگال کے پہلے کامیاب مبلغ شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم تھے اس وقت مشرقی بنگال کی سب سے بڑی زیارت گاہ سلہٹ میں ایک سہروردی شاہ جلال یمنی کا مزار ہے ۔ (۶) گجرات کے قدیمی دارالخلافہ پٹن میں حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت چراغؒ دہلی نے بھی اپنے خلفاء بھیجے لیکن دارالخلافہ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالمؒ کے سر بفلک روضے سہروردی یادگاریں ہیں اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ اور بلوچستان کو بابا فریدؒ بھی بہاؤالدین زکریا سہروردیؒ کی ولایت کی جز و مانتے تھے ۔ جس کا ذکر بابا صاحب نے سیر العارفین کے صفحہ ۱۵ میں کیا ہے ۔ یہ بالکل مجمل کیفیت ہے ۔ جو عام حضرات صوفیا اور مشائخ سہروردیہ نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں انجام دی اور جن کی بدولت ہندوستان توحید و مساوات سے آشنا ہوا اور انسانیت کے بلند مرتبہ پر پہنچا ۔ بزرگان دین کی ان تبلیغی سرگرمیوں سے اس اعتراض کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے جو اغیار نے یہ کہہ کر گھڑ لیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے ۔ چنانچہ اس کی تردید میں ۲۱ ۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو شام کے وقت ایک پنچایتی تجدیدیہ میں لاہور کے ایک ہندو وزیر تعلیمات سر چھوٹو رام نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ موجودہ ہندو مسلم سکھ کشیدگی تاریخی واقعات کی دانستہ تحریف کا نتیجہ ہے ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو جو باتیں کہہ کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جاتا ہے ۔ ان میں سے ایک فرضی داستان یہ ہے کہ ایک مسلمان فرمانروا اس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتا تھا جب تک کہ ہندوؤں کی اتنی تعداد روزانہ مسلمان نہ کر لیا کرتا ، جن کے جنیؤ بیک وقت سوا من بھاری ہوں۔* میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوؤں کی کل تعداد پانچ چھ کروڑ سے زیادہ نہیں تھی اور سوا من وزنی جنیؤ اندازہ چالیس پچاس ہزار ہندوؤں کے گلے سے ہی اتر سکتے ہیں ۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

---

* اس دھاگے کا نام ہے ۔ جسے ہندو اپنے گلے میں کمر تک لٹکاتے ہیں ۔

اگر یہ الزام درست ہوتا تو ہندو آج تک مٹ گئے ہوتے۔ اس قصے کے من گھڑت ہونے کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر دہلی اور آگرہ سے تمام ہندوستان پر حکومت کی لیکن ان دارالخلافوں کے اردگرد ہندو آبادی علی الترتیب پچھتر اور پچاسی فیصدی کے قریب ہے۔ اگر کھانا کھانے سے پہلے اگر اتنے ہندوؤں کا مسلمان کر لینا ضروری سمجھا جاتا تھا تو مسلمان فرمانرواؤں کی یہ خواہش آگرہ اور دہلی کے نواحی علاقوں میں تو بسرعت اور نہایت اچھی طرح پوری ہو سکتی تھی۔ حالانکہ انہی علاقوں میں ہندوؤں کی بھاری سے بھاری تعداد اب بھی اس بے حقیقت افسانے کی زندہ اور دائمی تردید موجود ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے جو خود غرض انسانوں نے ہندوستان کی اقوام کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ابدی منافرت کا بیج بونے کے لئے تراش رکھا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلام بزور شمشیر ہرگز نہیں پھیلا بلکہ اس کی ترقی اور عام تبلیغ صوفیا اور بزرگوں کے بے مثل اخلاق اور درویشوں کی پاکیزہ سیرت کی وجہ سے ہوئی ہے۔

اس کی تصدیق تاریخ پنجاب مصنفہ غلام محی الدین لدھیانوی کے مطالعہ سے اس طرح پر ہوتی ہے کہ راجہ سلواہن کے زمانہ میں مسلمانوں پر بے پناہ ظلم وستم ڈھایا جاتا تھا۔ اس راجہ نے شہر سیالکوٹ آباد کیا۔ اور جب اس نے یہاں ایک قلعہ بنوانا چاہا تو اس کی شمالی دیوار بار بار بنوانے کے باوجود گر جاتی تھی۔ راجہ سلواہن اس واقعہ سے سخت حیران ہوا۔ اس زمانہ کے منجموں اور کاہنوں نے اپنے حساب کی روشنی میں اسے بتایا کہ جب تک کسی مسلمان کو شہید کر کے اس کے سر کو دیوار کے نیچے نہ دیا جائے گا، دیوار استوار نہ ہوگی۔ راجہ سلواہن نے منجموں اور کاہنوں کی اس رائے سے اتفاق کیا اور سید مراد علی کو جو پیر مرادیہ کے نام سے مشہور تھے، پکڑ کر شہید کروا دیا۔ چنانچہ ان کے وجود مطہر پر قلعہ کی شمالی دیوار کی تعمیر کی گئی۔ آج بھی پیر مرادیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اسی دیوار کے اوپر موجود ہے۔ جس کی باقاعدہ حفاظت کی جاتی ہے۔ اور جو اپنے ظاہری وباطنی فیوض وبرکات کی وجہ سے مرجع خاص وعام ہے۔ پیر مرادیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس زندہ کرامت کو دیکھ کر غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی اور ان میں ملت اسلامیہ میں شامل ہونے کا جذبہ موجزن ہوا۔ پھر جب تبلیغی دور شروع ہوا تو سرزمین پنجاب میں جہاں صوفیا اور فقراء ہی کی انتھک کوششوں سے اسلام پھیلا ہے۔ اسی غرض کے لئے امام علی الحق رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ دشمنان دین سے لڑتے اور اعلائے کلمۃ الحق کرتے سیالکوٹ کے جنوب مغربی کونے میں

شہید ہو گئے ۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور شہادت کے واقعات حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کوٹلی لوہاراں رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے جنگ نامہ امام علی الحق میں تحریر فرمائے ہیں ۔ امام صاحب کا مزار آج بھی اسی مقام پر موجود ہے جو بندگان الٰہی کے لئے موجب خیر و برکت ہے ۔ غیر مسلموں نے آپ کی شہادت کے بعد اس عجیب واقعہ سے حیرت ہوتی تھی اور اسلام کی حقانیت ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھی کہ امام صاحب کے مزار پُر انوار سے ایک نورانی شعاع نکلتی جو اپنے قرب و جوار کو منور کرتی ہوئی فضائے آسمان میں گم ہو جاتی ۔

پنجاب میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرزمین گجرات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا یہ بڑی مردم خیز ہے ۔ یہاں سے بہت سے مردان خدا نے اٹھ کر تمام پنجاب میں فریضۂ تبلیغ جس شان سے ادا کیا ۔ وہ تاریخی صفحات پر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ ان مردان خدا میں حضرت شاہ دولہ دریائی رحمۃ اللہ علیہ صفِ اوّل کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ آپ کا مزار شریف گجرات میں ہے جو آج بھی پنجاب اور بیرون پنجاب کے لوگوں کے لئے بے پناہ برکات کا حامل ہے ۔ حضرت شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک ایسے بزرگ گزرے ہیں ۔ جن کے مزار فیض آثار پر انسانی چوہوں کا چڑھتا رہا ہے ۔

پنجاب میں جن بزرگوں کی جد و جہد سے اسلام نے نشو و نما پائی اور لاکھوں بندگانِ خدا نے توحید و رسالت کا حقیقی راستہ پایا ۔ ان میں ایک حضرت شرف الدین عرف بابا جنگو شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ۔ آپ کا ابتدائی مشغلہ چوری اور ڈاکہ زنی تھا ۔ ایک مرتبہ آپ اسی سلسلہ میں زخمی ہو کر حضرت شاہ دولہ دریائی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوتے اور متواتر کئی روز تک وہیں قیام رکھا ایک رات حضرت شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مزار سے نکل کر بابا جنگو شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے زخم کا علاج بتایا اور سبق تلقین فرما کر ارشاد کیا کہ مجاہدہ اور چلّہ کشی میں مشغول ہو جاؤ اور اس سبق کا خوب ورد کرو ۔ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے دریائے چناب کے کنارے جو اس زمانہ میں شاہ دولہ دریائی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب سے ہی گزرتا تھا ۔ ایک چلّہ گاہ بنائی جو دریا کے اندر تک چلی جاتی تھی ۔ آپ نے اس مقام پر شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے سبق کو اتنا پکایا کہ رب العزت نے انہیں نواز لیا اور ان پر کشف و کرامات کے دروازے کھل گئے ۔ جب آپ اس چلہ کے مقام

سے فارغ ہو کر نکلے تو لوگوں نے آپ کو قطب وقت خیال کیا۔ چنانچہ صبح و شام ایک بے پناہ ہجوم آپ کے گرد جمع رہنے لگا۔ صاحب تذکرہ غوثیہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں صرف دو بلند پایہ بزرگوں کو دیکھا ہے۔ جن میں سے ایک حضرت جنگو شاہ قلندر رحمت اللہ علیہ ہیں۔ (۷)

گجرات کے قصبہ حیات گڑھ میں ایک بزرگ میاں غلام محمد صاحب رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہیں بابا جنگو شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے معتقدوں میں جن حضرات کو مقامِ ارشاد پر فائز کیا۔ ان میں بالخصوص قبلہ عالم میاں غلام محمد حیات گڑھی گجراتی سہروردی قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنے پیش روؤں کے تبلیغی مشن کو جس انداز سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کی مثال پنجاب کے دیگر بزرگوں میں ملنی محال ہے۔

حواشی

۱۔ دورِ حاضر میں آپ کا مزار شہر لاہور کی معروف مارکیٹ (ہال روڈ) میں گھرا ہوا ہے۔ مزار کے نیچے ریڈیو اور ٹیلیویژن بیچنے والوں کی دکانیں ہیں۔ مزار پر چند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچنا پڑتا ہے مزار سے متصل چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ (ذاتی معلومات)

۲۔ تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی، ص ۱۱۱۔

۳۔ تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: تذکرہ حضرت سخی سرور از پروفیسر حامد خاں حامد، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔

۴۔ شیخ اسحاق لاہوری، ابن شیخ کاکی، استاد فاضل، متوکل اور متقی بزرگ تھے۔ ۹۹۶ھ میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ علمائے ہند۔ ص۔ ۱۱۱)

۵۔ میر سید ہمدانی، شاہِ ہمدان کے نام سے معروف ہیں۔ علامہ اقبالؒ کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ آپ کا تعلق سلسلہ سہروردی کی کبرویہ شاخ سے تھا۔ اس شاخ کے سرخیل حضرت نجم الدین کبریٰ ہیں۔

۶۔ مفصّل حالات کے لئے دیکھئے۔ سہیل یمن۔

سہیل یمن کے مصنّف ڈھاکہ کے مشہور انشا پرداز اور عالم متبحر مولوی نصیر الدین حیدر سامی ہیں۔ سامی نے حضرت کو تبریزی کے بدلے یمنی بنا دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سہیل یمن، با ہتمام و اضافات بہ زبان اُردو از شاہ ساجد علی سلمتی، مطبع غوثیہ کلکتہ (۱۳۱۲ھ) سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ از حاجی بشیر علی دبیر، ۱۲۷۷ھ میں "تاریخ جلالی" کے نام سے ہوا اور مطبع قیومی کانپور سے ۱۳۲۲ھ میں چھپا۔ (اختر راہی: ۴۰۷)

۷۔ حضرت سید غوث علی قلندر پانی پتی بابا جنگو شاہ قلندر کو قلندرِ عصر سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں "قلندر وہ ہے کہ تجرید و تفرید میں یکتا اور بے پرواہ ہو اور تمام عالم کا حال اس پر آئینہ ہو اور جو وصف کہ عارفوں میں ہونا چاہیئے۔ اس میں بے مثل ہو۔ شرط یہ ہے کہ مجذوب بھی ہو اور سالک بھی، جیسے شیخ حضرت شرف الدین بو علی قلندر تھے یا ہمارے زمانے میں حضرت جنگو شاہ موجود ہیں۔ (تذکرہ غوثیہ، مطبوعہ دہلی، بارچہارم، ص ۱۶۷)

انتقال پُر ملال

شیخ الاسلام حضرت سیّد ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت الحاج میاں معراج الدین سہروردی (رح) ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ بمطابق ۳ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعہ انتقال فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً سو سال کے قریب تھی۔

آپ کی پیدائش موضع ہنجروال ضلع لاہور میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا نام حاجی میاں میر داد تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی اور میٹرک تک تعلیم حاصل کر کے پرائیوٹ ملازمت اختیار کی۔ ۲۵ سال ملازمت میں رہے اور بعد ازاں زمیداری کا زریعہ اپنایا۔ تقریباً ۱۹۲۵ء میں آپ کی ملاقات حضرت شیخ الاسلام (رح) سے ہوئی اور آپ اُن کی بعیت ہو گئے۔۱۹۲۸ء میں آپ حج سے واپس ہوئے تو آپ نے جلسہ عید میلادالنبی کروانا شروع کیا جو آج تک جاری ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲ مارچ ۱۹۵۰ء کو حضرت شیخ الاسلام (رح) نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔آپ موضع سمنانی (ہنجروال، لاہور) میں تبلیغِ دین اور ترویجِ سلسلۂ سہروردیہ کے لئے تا دمِ زیست کوشاں رہے۔

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے ارکین آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جلاءُ الخواطر

مواعظِ حُسنہ : غوث اعظم حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ/۱۱۶۶م)

مرتبہ : حضرت سید عبدالرزاق جیلانیؒ۔

ترجمہ : ڈاکٹر مولوی عبدالکریم طفلی۔

تعارف

حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کے خطبات و ملفوظات کئی بزرگوں نے مرتب کئے۔ ان میں سے ایک ترتیب "الفتح الربانی" مرتبہ حضرت عفیف الدین بن مبارکؒ (۱) شائع ہو چکی ہے جلال الخواطر کے مرتب حضرت سید عبدالرزاق گیلانی حضرت غوثِ اعظم قدس سرہٗ کے فرزندِ ارجمند ہیں ان خطبات کا زمانۂ تحریر (۵۴۶ھ) ہے۔ (۲)

پینتالیس مجالس کا یہ مجموعہ ۹ رجب جمعۃ المبارک سے ۱۴ رمضان المبارک کی درمیانی مجالس کا ہے۔ (۳) ۱۰ مجالس کا اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم نے کحل الجواہر کے نام سے کیا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ترجمہ شائع ہوا یا نہیں۔ (۴) خطی نسخہ مکرمی شفقت جیلانی خان کی ملکیت ہے۔ اشاعت کے سلسلے میں ہم ان کی اجازت اور معاونت کے لئے مشکور ہیں۔

سہروردی میں انشاءاللہ پینتالیس مجالس کا ترجمہ قسط وار شائع کیا جا رہا ہے۔ موجودہ ترجمہ جناب ڈاکٹر مولوی عبدالکریم طفلی صاحب نے کیا ہے۔ (۵) دونوں مترجمین، ترجمہ کرنے سے پہلے ہی حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ (۶)

ہم بھی ان خطبات کا ترجمہ اس امید پر شائع کر رہے ہیں :

آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

ادریس سہروردی

پہلی مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے اور اللہ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پر اور اصحاب پر رحمت بھیجے (آمین ثم آمین)

حضرت ابوصالح جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت امام عالم، دانشورِ عظیم، زاہد و عابد، عارف و متقی، شیخ المشائخ، حجت اسلام، قطب انام، حامیٔ سنت قاطع بدعت، تاج دعجت، اہل معرفت و سلوک، رکن شریعت، ستون حقیقت و علم طریقت، سردار اولیاء، و پیشوائے اصفیاء و مشعل بردار طریق ہدایت و رئیس اتقیاء و چراغ اہل تقویٰ و صفا شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر رضی اللہ عنہ، اللہ ان کی روح کو مقدس اور ان کی قبر کو روشن رکھے اور ہمیں ان کی جماعت میں اٹھائے اور ان کی محبت پر مارے اور ان کے اقوال کی برکت سے دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے اور اللہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر رحمت بھیجے اور بہت بہت سلام کہہ کر سلامتی بھیجے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ آپ نے اپنی مجلسوں (جو ۹، ماہ رجب جمعہ سے ۱۴، رمضان المبارک ۵۴۶ھ تک جاری رہیں) میں فرمایا:۔

" اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ۔ وہ بُرا ساتھی ہے اور یہ حسد ہی تھا، جس نے ابلیس کا گھر برباد کیا اور اس کو ہلاک کیا اور اس کو دوزخی بنایا اور اس کو خدائے بزرگ و برتر اور اس کے فرشتوں اور اس کے نبیوں اور اس کی مخلوق کا ملعون بنایا۔ کسی سمجھدار آدمی کے لئے حسد کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس نے ارشاد سن لیا۔ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی

روزی ان میں بانٹ دی ہے۔ یا وہ لوگوں پر اس چیز سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنی مہربانی سے دی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

اے صاحبزادے! حسد کے بارہ میں علماء ربانی کا فرمان کس قدر انصاف کرنے والا ہے اپنے ساتھی ہی سے شروع کرتا ہے۔ پس اسی کو مارتا ہے اور حسد کرنے والا پناہ بخدائے بزرگ و برتر۔ خدا کے ساتھ اس کے فعل پر اور اس کی تخلیق پر اور اس کی تقسیم پر بھی جھگڑا کرتا ہے۔

بلاشبہ میں اپنی بات میں تم سے اور تمہارے گھروں کے مال و اسباب اور تمہارے تحفوں سے بے نیاز ہوں۔ چنانچہ جب تک میں اس امر پر قائم رہوں گا۔ انشاء اللہ میری بات سے تم کو فائدہ پہنچے گا۔ جب تک بات کرنے والے کی نظر تمہاری روٹیوں، کپڑوں اور چھبوں پر رہے گی، تمہیں اس بات سے فائدہ نہ ہوگا۔ جب تک تمہارے (چولہے کا دھواں اور تمہارے کوچہ کو تاکتا رہے گا۔ تمہیں اس کی بات سے فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس کی بات ایسا چھلکا ہو گی۔ جس میں گری نہیں، ایسی ہڈی ہوگی، جس پر گوشت نہیں۔ تلخی ہوگی، بلا مٹھاس صورت ہو گی۔ بلا معنی۔ طمع کرنے والے کی بات حرص اور رورعایت سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کو ڈر کی وجہ سے مخالفت پر قدرت نہیں ہوتی۔ طمع کرنے والا طمع کے حروف کی طرح خالی ہے۔"طمع" کے حروف " ط" اور م " اور " ع " سب کے سب نقطوں سے خالی ہیں۔

اے اللہ کے بندو! سچے بنو، یقیناً فلاح پاؤ گے۔ سچا (اللہ کی بندگی سے) پھرا نہیں کرتا۔ اللہ کو ایک کہنے میں سچا ہونے والا اپنے نفس جو اس شیطان کا ہے۔ کی بات پر (اللہ کے دروازہ سے) لوٹا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نیکیوں کی محبت میں سچا ہوتا ہے۔ سچا ملامت پر کان نہیں دھرتا اور نہ ہی یہ اس کے کان میں سماتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریمؐ اور اس کے بندوں میں سے نیکیوں، کی محبت میں سچا کسی منافق ملعون و مبغوض کی بکواس پر (اپنے کام سے باز نہیں آتا)۔ سچا (اپنے دوست اور دشمن کو) پہچانتا ہے اور جھوٹا نہیں پہچانتا۔ سچے کی ہمت آسمان تک بلند ہوتی ہے۔ کسی

کی ایسی ویسی بات کو خاطر میں نہیں لاتا ۔ بلاشبہ خدائے بزرگ و برتر کو اپنی بات پر قدرت ہے ۔ جب تم سے کوئی کام لینا چاہے گا ، تجھے اس کے قابل بنا دے گا ۔ اے عالم ! اگر تیرے پاس علم کے پھل اور اس کی برکت سے کچھ ہوتا تو نفس کے مزوں اور لذتوں کی خاطر بادشاہوں کے دروازوں کی طرف کبھی نہ دوڑتا ۔ عالم کے وہ پاؤں ہی نہیں ہوتے ۔ جن سے لوگوں کے دروازوں کی طرف دوڑے اور زاہد کے وہ ہاتھ ہی نہیں ہوتے ، جن سے لوگوں کا مال لے اور محب کی وہ آنکھیں ہی نہیں ہوتیں ۔ جن سے محبوب کے سوا کسی کو دیکھے ۔ سچا اگر ساری مخلوق سے بھی ملے تو اسے ان کی طرف نگاہ کرنا جائز نہیں چونکہ اس کے لئے محبوب کے سوا کسی پر نظر کرنا حلال ہی نہیں ، نہ اس کے سر کی آنکھوں میں دنیا بڑی معلوم ہوتی ہے اور نہ اس کے سر کی آنکھوں میں آخرت ہی بڑی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے سِر کی آنکھوں میں اللہ کے سوا کوئی بڑا نظر آتا ہے ۔

اے صاحبزادے ! منافق کی پہچان اس کی زبان اور سر سے ہوتی ہے اور سچے کی پہچان اس کے دل سے ہوتی ہے اور اس کے باطن کا بھید خدائے بزرگ و برتر کے دروازہ پر ہوتا ہے اور باطن اللہ کے حضور ، دروازہ پر کھڑا چیختا رہتا ہے ۔ حتیٰ کہ اندر داخل ہو جاتا ہے ۔ خدا کی قسم ! تم بہر حال جھوٹے ہو ۔ خدائے بزرگ و برتر کے دروازے کی راہ تم خود نہیں جانتے ۔ دوسرے کو کس طرح بتاؤ گے اور تم خود اندھے ہو ۔ اپنے سوا کسی اور کی لاٹھی کس طرح تھامو گے ۔ تمہاری خواہش اور تمہاری طبیعت اور تمہاری اپنے نفس کی پیروی اور تمہاری اپنی دنیا ۔ اپنی ریاست اور اپنی لذتوں کی محبت نے تمہیں اندھا کر رکھا ہے ۔ تمہاری خرابی ہو تمہیں دنیا میں رہنا محبوب ہے مگر تمہارے کوئی چیز ہاتھ نہیں آئے گی ۔ اپنی دکان پر اپنی نماز کو کب ترجیح دو گے ۔ آخرت کو اپنی دنیا پر کب مقدم رکھو گے ۔ اپنے خالق کو اپنی مخلوق پر کب مقدم رکھو گے اور اپنے نفس کی بجائے سائل کو کب ترجیح دو گے ۔ خدائے بزرگ و برتر کے حکم کو اور اس کی منع کی ہوئی چیز سے رکنے کو اور اس پر جو مصیبتیں آتی ہیں ۔ ان پر صبر کو اپنی خواہش اور عادت پر کب ترجیح دو گے ۔ لوگوں کا کہنا ماننے کی بجائے اس کا کہا ماننے کو کب مقدم رکھو گے ۔ عقل سیکھو ۔ تم ہوس میں پھنسے ہو ، ایسے باطل کی ، جس میں حق نہیں ۔ ایسے ظاہر کی ،

جس میں باطن نہیں۔ ایسے علانیہ کی جس میں سر نہیں۔ جب تک گناہ ظاہر جسم پر ہیں۔ میری طرف قدم بڑھاؤ۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے دل تک پہنچ جائیں۔ پھر تم اصرار کرو اور ساتھ میں مشغول رہو تو کافر بنو۔ غلطی کی تلافی کر لو۔ تھوڑی (زندگی یا تکلیف) سے بڑی (زندگی یا ...) کو محفوظ کر لو۔ جب تک رسی کے دونوں کنارے تمہارے ہاتھوں میں ہیں تلافی کر لو۔

۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے۔ جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اگرچہ ستر مرتبہ دین میں پھر کرے۔ جب تم نے رسولؐ سے سن لیا اور ان کی بات پر عمل کیا اور آپ کے اصحاب کی پیروی کر کے آپ کے ساتھ بہتر برتاؤ کیا تو تمہارے دل کو تمہارے خدائے بزرگ و برتر کے سامنے کریں گے اور ان کا کلام تمہیں سنوائیں گے۔ جس کی طاعت اور عبادت اللہ کی خاطر ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کی کلام سننے پر قادر ہو جاتا ہے۔

۲ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان پر اور تمام نبیوں پر درود و رحمت ہو، اپنی قوم کے پاس آئے۔ ان کے پاس توریت تھی۔ جس میں امر اور نہی تھی۔ لوگوں نے کہا۔ ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ جب تک کہ ہم اللہ کا چہرہ نہ دیکھ لیں گے اور اس کا کلام نہ سن لیں گے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ اپنی ذات کو تو اس نے مجھے بھی نہیں دکھایا، پھر تمہیں کیسے دکھا دوں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ جب آپ نہ اس کا منہ دکھائیں اور نہ ان کا کلام سنوائیں ہم اس کی بات کیسے مان لیں۔ تب خدائے بزرگ و برتر نے موسیٰ، ہمارے نبی اور ان پر درود و رحمت ہو، کو وحی کی کہ ان کو کہہ دیجئے کہ اگر ان کا میری کلام سننے کا ارادہ ہے تو تین دن روزے رکھیں۔ جب چوتھا روز ہو خوب نہائیں اور پاک کپڑے پہنیں۔ پھر ان کو لے کر آجاؤ تاکہ میری کلام سنیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس بات کی خبر کر دی۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر پہاڑی کے اس مقام پر آئے۔ جہاں وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنے خدائے بزرگ و برتر سے باتیں کیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی قوم کے عالموں اور پرہیزگاروں میں سے ستر آدمی لئے۔ جب حق تعالیٰ ان سے مخاطب ہوئے تو سب کے سب بے ہوش ہو کر مر گئے۔ موسیٰ ہمارے نبی اور ان پر درود و رحمت ہو۔ اکیلے رہ گئے اور رو کر عرض کی کہ اے پروردگار! آپ نے میری امت کے بہترین لوگوں کو مار دیا۔ اللہ کو ان کے رونے پر ترس آیا، تو انہیں اللہ نے زندہ کر دیا۔ وہ اپنے پاؤں

پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، موسیٰ علیہ السلام، ہمیں اللہ تعالےٰ کا کلام سننے کی طاقت نہیں۔ آپ ہی، ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ بنئے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، اور موسیٰ علیہ السلام اُن کو سناتے اور اُن کے لئے دہراتے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام محض اپنے ایمان کی قوت اور اپنی طاقت اور اپنی عبودیت کے ثابت ہونے کی بناء پر اللہ کا کلام سننے پر قادر ہوئے اور وہ لوگ محض اپنے ایمان کی کمزوری کی بناء پر اللہ کا کلام سننے پر قادر نہ ہو سکے۔ پس اگر وہ توریت میں آئے ہوئے اللہ کے احکام کو قبول کر لیتے اور امر و نہی میں اطاعت کرتے اور ادب کرتے اور جو کیا اس کے کہنے کی جرأت اور تحریک نہ کرتے تو خدائے بزرگ و برتر کا کلام سننے پر قادر ہو جاتے۔

اپنے مولیٰ کی اطاعت میں ہر طرح کوشش کرو اور کوشش کرو کہ تم نہ دینے والے کو دو اور توڑنے والے سے جوڑو۔ اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کر دو اور کوشش کرو کہ تمہارا بدن بندوں کے ساتھ ہو اور تمہارا دل بندوں کے پروردگار کے ساتھ ہو اور کوشش کرو کہ سچے بنو، جھوٹے نہ بنو اور کوشش کرو۔ اخلاص برتو، نفاق نہ برتو۔

لقمان حکیم اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے۔ اے بیٹے! لوگوں سے دکھاوا نہ کرو کہ کہیں خدائے بزرگ و برتر سے۔ ایک بدکاروں سے ملو تمہاری خرابی ہو۔ دو منہ، دو زبانوں اور دو کانوں والے مت بنو کہ اس کے سامنے کچھ اور اس کے سامنے کچھ۔ میں مسلط ہوا ہوں ہر جھوٹے منافق دجال پر، مسلط ہوا ہوں، خدائے بزرگ و برتر کے نافرمان پر، جن کا سب سے بڑا ابلیس ہے اور وہ جب سے چھوٹا بد اعمال۔ میری جنگ ہے تم سے اور ہر گمراہ سے۔ گمراہ کنندہ اور باطل کی طرف دعوت دینے والے سے۔ اس پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سے مدد لیتا ہوں۔ نفاق تمہارے دل پر جم گیا ہے۔ تمہیں اسلام، توبہ اور زنار و کفر توڑنے کی ضرورت ہے۔ عقل سیکھو۔ جب تم سے غبار چھٹ جائے گا تو دیکھو گے اور تھوڑی دیر بعد تمہیں خبر معلوم ہو جائے گی۔ جس نے میری بات سنی اور اس پر عمل کیا اور اخلاص برتا۔ وہ مقربین میں سے بنا۔ اس واسطے کہ ایسی بات ہے۔ کہ مغز جس میں چھلکا نہیں۔ تمہاری خرابی ہو۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور دلوں سے اس کے سوا اوروں کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔ مجنوں کو جب لیلیٰ کی محبت سچی ہو گئی تو

اس کا دل لیلیٰ کے سوا کسی کو قبول نہ کرتا تھا۔ ایک دن لوگوں پر اس کا گزر ہوا، تو انہوں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو، لیلیٰ کے پاس سے۔ پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے، بولا لیلیٰ کی طرف کا۔

جب دل خدائے بزرگ و برتر کی محبت میں سچا ہوتا ہے۔ تو موسیٰ، ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو، جیسا ہو جاتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے ان کے حق میں فرمایا، ہم نے پہلے سے ہی ان پر پستانوں کو ممنوع قرار دیا تھا۔ تم جھوٹ نہ بولو۔ تمہارے دو دل نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ جس چیز سے بھی بھر جائے گا۔ پھر اس میں دوسری نہیں سما سکتی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا؛ اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے۔ جس دل میں خالق کی محبت ہو گی۔ صحیح نہیں ہو گا کہ اس میں دنیا اور آخرت ہو۔ اللہ سے ناآشنا رہنا نفاق برپا کرنا ہے اور اس سے آشنا۔ ایسا نہیں کرتا اور احمق خدائے بزرگ و برتر کی نافرمانی کرتا ہے اور عاقل اس کی اطاعت کرتا ہے اور بغض رکھنے والا نافرمانی کرتا ہے اور محبت رکھنے والا اطاعت کرتا ہے اور دنیا اکٹھی کرنے کی حرص کرنے والا دکھاوا کرتا اور نفاق برتا کرتا ہے اور کوتاہ اُمید ایسا نہیں کرتا اور موت کو بھلا دینے والا دکھاوا کرتا ہے اور یاد رکھنے والا دکھاوا نہیں کیا کرتا اور غافل دکھاوا کرتا ہے اور بیدار دکھاوا نہیں کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کو (غیبی فرشتہ) متنبہ کرتا، اور (غیبی) معلّم تعلیم دیتا رہتا ہے اور حق تعالےٰ وسائل علم ان کے لئے مہیا فرما دیتا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اگر پہاڑ کی چوٹی پر بھی ہو گا تو اللہ اس پر (غیبی) عالم متعین فرمائے گا جو اس کو (ارضیاتِ الٰہیہ کی) تعلیم دیتا رہے گا۔ نیکوں کی باتیں مستعار لے کر ان پر اپنا دعوےٰ کر کے باتیں نہ کیا کرو۔ مانگی چیز چھپا نہیں کرتی۔ اپنے مال سے کمائی کرو۔ مانگی چیز سے نہیں۔ اپنے ہاتھ سے کپاس کاشت کرو اور اسے اپنے ہاتھ سے پانی دو اور اس کی اپنی کوشش سے پرورش کرو۔ پھر اسے بن لو، سی لو اور پہن لو۔ دوسروں کی ملک اور دوسروں کے کپڑوں پر مت اتراؤ۔ جب دوسروں کا کلام لے کر بات کرو گے اور اس کو اپنا بتاؤ گے تو نیکوں کے دل تمہارے سے نفرت کریں گے۔ جب تجھے فعل نصیب نہیں تو قول بھی تیرے مناسب نہیں۔ ظاہر ہے حکم کا تعلق عمل سے ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اے صاحبزادے! فرشتے حرص اور طمع اور لایعنی قسم کی بہت سی باتوں کے لکھنے کے سوا کسی بات سے نہیں اکتاتے بلکہ جس کا دل حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو لامحالہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ اس کا دل اس کے ڈر سے بجھ جاتا ہے تو ہاتھ پاؤں بھی وہی تاثر لیتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے راحت و آرام میں رہتے ہیں۔ تمہاری باتیں ایک پر دوسری گناہوں کے ڈھیر ہیں۔ جن کی عاقبت بھی مہمل ہے۔ تم یہ جانے بغیر باتیں کئے جاتے ہو کہ فائدہ مند ہوں یا نقصان دہ۔ موت سے خبردار رہو تمہارے لئے موت سے فرار نہیں۔ تم جس کہنے سننے اور لایعنی کاموں میں لگے ہو، انہیں چھوڑ دو۔ اپنی لمبی لمبی امیدوں کو کوتاہ کرو اور حرص کو کم کرو۔ اس واسطے کہ عنقریب تمہیں مرنا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تمہیں بیٹھے بیٹھے موت آجاتی ہے یہاں تک کہ اپنے پاؤں پر چل کر آئے تھے۔ تمہارے گھر کی طرف جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ صحیح ایمان والا اپنی جان سے بدلہ لے کر اطمینان حاصل کرتا ہے۔ جب اس کی جان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے کہتا ہے، میں نے تو تجھے نصیحت کی مگر تم نے قبول ہی نہ کی، اور نہ جاننے والی، اور نہ ماننے والی، اور اللہ کی دشمن، میں نے تجھے اس چیز سے ڈرایا تو تھا۔ جو کوئی اپنے نفس سے بار بار کس، کھود کرید اور خیرخواہی نہیں کرتا، کبھی فلاح نہیں پاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے نفس کا خود واعظ نہ بنے۔ اس کو کسی واعظ کا وعظ نفع نہیں دیتا۔ جو فلاح چاہے، اپنے نفس کو نصیحت کرے۔ اس کو توبہ سکھائے اور مجاہدہ کرائے۔

زُہد یہ ہے کہ پہلے حرام چیزوں کو چھوڑے، پھر شبہ والی چیزوں کو چھوڑے۔ پھر مباح چیزوں کو چھوڑے۔ پھر ہر حالت میں خالص حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دے۔ غرض کوئی چیز نہ رہے جسے چھوڑ نہ دے۔ حقیقی زہد یہ ہے۔ دنیا چھوڑے، آخرت چھوڑے، خواہشات و لذات چھوڑے۔ غرض کوئی چیز نہ رہے جسے چھوڑ نہ دے۔ حالات و درجات، کرامات اور مقامات طلب کرنا چھوڑے اور خالق کائنات کے سوا ہر چیز کو چھوڑے۔ حتیٰ کہ خالق بزرگ و برتر کے سوا کوئی نہ رہے جو ہماری منتہیٰ اور غائیت مقصود ہے۔ اسی کی طرف پھر جانے میں سارے کام، باتیں کرنے والوں میں سے کوئی اپنے دل سے بات کرتا ہے۔ کوئی اپنے باطن سے بات کرتا ہے اور ان میں سے کوئی اپنے نفس اور اس کی خواہش اور اس کے شیطان کی بات کرتا ہے۔ ایمان

والوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پہلے سوچتا ہے۔ پھر بات کرتا ہے۔ نفاق والا پہلے بات کرتا ہے پھر سوچتا ہے۔ مومن کی زبان اس کی عقل اور دل کے پیچھے (ماتحت) ہوتی ہے اور منافق کی زبان اس کی عقل اور دل کے آگے۔ اے ہمارے اللہ! ہمیں ایمان والوں میں کر اور نفاق والوں میں نہ کر اور ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں نیکی دے اور آگ کے عذاب سے بچا۔

حواشی

تعارف

۱۔ عفیف الدین بن مبارک قدس سرہٗ حضرت شیخ الشیوخ، غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانی الحنبلی الشافعی قدس سرہٗ العزیز (۵۶۱ھ) کے خلیفہ تھے۔

۲۔ فی مجالس اولہا تاسع من شھر رجب یوم الجمعۃ و آخرھا رابع عشر من شھر رمضان المبارک سنۃ ست واربعین وخمسمائۃ

ترجمہ:۔ آپ نے اپنی مجلسوں جو ۹۔ ماہِ رجب جمعہ سے ۱۴ر رمضان المبارک ۵۴۶ھ تک جاری رہیں (فرمایا)

جلاء الخواطر، خطی مملوکہ، شفقت جیلانی خاں، ص ۱

۳۔ ایضاً

۴۔ ترجمہ کے ابتدائی تین صفحات تعارفی اور تشریحی نوعیت کے حامل ہیں۔ اس کا کوئی عنوان نہیں رکھا گیا۔ آخر میں لکھا ہے۔

(بندۂ ناچیز عاشق الٰہی عفرلہٗ والوالدیہ میرٹھی ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ، اپریل ۱۹۴۱ء)

۵۔ ڈاکٹر موصوف گوجرانوالہ کے مشہور ہومیو ڈاکٹر ہیں۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں محقق اور مترجم کی حیثیت سے منسلک رہے۔

۶۔ مترجم اوّل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کحل الجواہر کے ابتدائی تعارفی کلمات میں لکھتے ہیں:

"دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کتابت کی صد ہا غلطیاں ہیں۔ جن کی اصلاح اگر ہوائے (بھی) زیادہ مشکل ہے کہ دوسرا نسخہ نہیں۔ جس سے تصحیح یا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس لئے میں نے عذر کر دیا کہ اب میرا دماغ اس عمیق غور و فکر کا متحمل نہیں۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت غوث اعظم ؒ سید عبدالقادر جیلانی ؒ تشریف لائے اور مجھے اپنے سینے سے لگانا چاہتے ہیں۔ میں جھجکتا ہوں کہ میرا قلب ان فیوضات کا متحمل نہ ہو سکے گا اور شق ہو جائے گا۔ آخر حضرت نے چھاتی سے لپٹا ہی لیا اور اسی حالت میں آنکھ کھل گئی۔ میں نے سمجھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو یہ اہم کام مجھ ناچیز ہی سے لینا منظور ہے۔ اس لئے اسی دن اس کی تصحیح و ترجمہ اور ساتھ ہی ساتھ کتابت و طباعت کا انتظام شروع کر دیا۔ کتابت میں لفظوں کی معمولی فروگذاشت کو تو میں نے غلطی میں شمار ہی نہیں کیا لیکن لفظی غلطی اور وہ تصحیف جس کی حقیقت معلوم کرنے میں دماغ پر زور دینا پڑا ان کی فہرست ضرور مرتب کرتا رہا مگر ان کی تعداد بھی دو ہزار سے متجاوز ہو گئی اور سب کو درج کرنے کے لئے چالیس صفحات درکار ہوئے تو میں نے انتخاب کیا اور اغلاط میں صرف ان کو درج کرنا ضروری سمجھا جن کی تصحیح میں بعض جگہ ایک ایک ہفتہ میرا دماغ چکر کھاتا رہا ہے۔ اگرچہ اب اصلاح کے بعد اس کا اندازہ ہونا مشکل ہے کہ اس غلط لفظ سے صحیح لفظ نکالنے میں کتنی دردسری ہوئی ہے۔ میں ان کو آخر میں اس لئے درج کرتا ہوں کہ اصل نسخہ بھی محفوظ رہے اور میری تصحیح اگر غلط ہو تو بعد میں کوئی صاحب اس کی صحیح تصحیح فرما سکیں۔ تاہم بعض جگہ دماغ نے بالکل کام نہیں دیا اور بعض جگہ شرعی احتیاط مانع ہوئی۔ ایسے مواقع پر میں نے اصل عبارت نقل کر کے اوپر خط کھینچ دیا ہے۔ بہرحال جتنا میری طاقت میں تھا اس کو خرچ کر چکا مگر یہ سب وجدانی اور دماغی کام ہے۔ اس لئے دعا ہے کہ جہاں غلطی ہوئی ہو حق تعالیٰ معاف فرمائے، اور اس کو مخلوق کے لئے نافع اور میرے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین۔"

(بندۂ ناچیز عاشق الٰہی غفرلہ ولوالدیہ میرٹھی، ربیع الاول ۱۳۶۰ھ اپریل ۱۹۴۰ء)

ہمارے دوسرے مترجم بیان فرماتے ہیں،

"آج سے تقریباً بیس سال پہلے ایک رات کے پچھلے حصہ میں اس ناچیز نے خود کو ایک قبر کے

پائیں کھڑے پایا۔ اچانک قبر کا تعویذ شق ہوا اور ایک سفید داڑھی والے پتلے سے بزرگ نمودار ہوئے ۔ جن سے میں بڑھ کر بغل گیر ہو گیا ۔ اسی لمحے تین اور بزرگ قبر کے بائیں طرف کھڑے دیکھے ، جو فرماتے تھے کہ یہ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ ہیں

اگلی صبح بعد از تلاوتِ قرآنِ کریم ، اس خواب کا اپنی نیک بخت زوجہ سے ذکر کیا اور کہا کہ اگر یہ سچ اور صحیح ہے تو اس کی تعبیر تو یہ بنتی ہے کہ اس عاجز کو ان سے کوئی فیض ہو گا کہاں وہ بزرگ ہستی اور کہاں یہ گنہگار بندہ ۔ بات آئی گئی ہو گئی ۔

چند ماہ بعد میرے عزیز دوست مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی کراچی سے مجھ سے ملنے آئے تو فرمایا ۔ میاں کوئی کام للہ فی اللہ بھی کر دیا کرو ۔ میں نے کہا ۔ بتاؤ کیا کام ہے ؟ کہا پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک عربی کتاب " جلا الخواطر " کا اُردو ترجمہ کر دو ۔ میں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا اور عرض کیا کہ نہیں بھی کرنا تھا ، تب بھی کرتا ۔ یہی تو میرے خواب کی تعبیر تھی اور ہے اور ساتھ ہی کتاب کا مطالبہ کر دیا ۔

. . . .

علم حاصل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور دوسروں سے علم کو مخفی رکھنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ خیانت علم خیانت مال سے بڑا جرم ہے ۔

حدیث (کنز العمال : ۱۰ : ۱۹۰)

سهرورد

علمی سرگرمیوں کا خبرنامہ

مندرجہ ذیل امور سے متعلقہ اطلاعات و اعلانات ہمیں ارسال فرمائیں ہم انہیں سہرورد کے علمی خبرنامے میں شائع کریں گے اس طرح آپ کی تحقیق و تدوین کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائے گا

۱. آپ کس موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں اس سلسلے میں آپ کو کس قسم کا تعاون درکار ہے ۔

۲. مخطوطات و کتب کے تبادلے اور خریدوفروخت سے متعلقہ اعلاں اور تبصرہ کتب ۔

۳. علمی سرگرمیوں سے متعلق خبریں ۔

۴. مجالس مذاکرت کی منعقدہ تاریخوں کا اعلان اور ان کی رپورٹیں ۔

۵. غیر ملکی علمی دوروں کی خبریں اور تاثرات ۔

۶. علمی شخصیات کی پاکستان آمد کی اطلاع سرگرمیاں۔

۷. پتہ کی تبدیلی اور تبادلوں سے متعلق اعلان

ہم یہ خدمت بلا معاوضہ پیش کرتے ہیں اس کا جذبۂ محرکہ یہ ہے کہ علمی تعاون کو وسیع تر کیا جائے ۔

مدیر

خبرنامہ

ڈاکٹر روبینہ ترین - ملتان

شیخ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ
(۵۶۶ھ - ۶۶۶ھ)
کی علمی، ادبی و شعری خدمات

برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کے موسس اعلیٰ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ کو ملتان کے نزدیک قصبہ کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے۔ (۱) آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق قریشِ مکہ کے معزز قبیلہ "القریش الاسدی" سے تھا۔ (۲) آپ کے دادا حضرت کمال الدین علی شاہؒ نے مکہ معظمہ سے خوارزم تشریف لائے اور پھر وہاں سے ملتان تشریف لائے۔ حضرت کمال الدین علی شاہؒ نے ملتان میں اپنے صاحبزادے حضرت وجیہہ الدینؒ کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ کے ایک شخص مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے کر دی۔ مولانا حسام الدین ترمذی تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواحی علاقے کوٹ کروڑ میں مقیم تھے۔ یہیں بہاؤالدین زکریاؒ پیدا ہوئے۔

حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ نے ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید سات قراتوں سے حفظ کر لیا تھا۔ منبع البرکات میں لکھا ہے کہ

"شیخ بہاؤالدین حفظ قرآن مجید با ہفت قرأت در کوٹ کروڑ از مولانا نصیرالدین بلخی حاصل کرد۔"

آپ ابھی دس سال کے تھے کہ آپ کے والد فوت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ خراسان تشریف لے گئے۔ سات برس تک وہاں علماء و مشائخ سے ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم

حاصل کی۔ پھر بخارا گئے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ بہاؤالدین زکریاؒ تقریباً آٹھ برس تک بخارا میں رہے۔ اسی دوران تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے کتب کا ذخیرہ بھی اکٹھا کیا۔ نور احمد آفریدی کے مطابق ان کتب کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی۔ (۴) ان تمام باتوں کو خلاصۃ العارفین (خطی) میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"چوں بہ ہفت سال رسید جملہ قرآن با جملہ قرأت ہا و وجوہات قرآن بطریق قاریاں شنوانیدہ بعد ازاں چہل در مدرسہ علم، علوم ظاہر و باطن مطالعہ و ملاحظہ کردتا دو ہزار کتب بخدمت ایشاں جمع کردشدہ و چہار صد و چہل و چہار استادان ماہران علم کہ در اطراف عالم و اکناف الارضی و آفاق بلاد ہا عالمیانی کہ مشہور بعلم ظاہری و باطنی و متشرع بودند بہ نسبت مصطفیٰؐ پیش ایشاں ملاحظہ کردی۔ علم ظاہری بایں طریق خواندی بعد ازاں بیست سال مجاہدہ و ریاضت کشید" (۵)

بخارا کے لوگ آپ سے متاثر ہو کر آپ کو "بہاؤالدین فرشتہ" کہنے لگے تھے۔ بخارا کی تمام درسگاہوں سے علم حاصل کرنے کے بعد بیس برس تک سخت مجاہدے میں مصروف رہے۔ (۶) بخارا سے آپ مکہ گئے۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حرم نبویؐ کے مجاور رہنے۔ انہی دنوں آپ مولانا کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کا درس لیتے رہے۔ سیر العارفین کے مطابق

"جب حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے تمام علم حدیث مولانا (یمنی)ؒ سے پڑھ لیا اور اس میں کمال حاصل کر لیا تو مولانا نے حضرت کو اجازت نامہ لکھ کر دے دیا اور حدیث کے درس دینے کی بھی اجازت دے دی، جیسی کہ محدثین کی رسم ہے۔" (۷)

پانچ برس مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ اپنے استاد (مولانا یمنی)ؒ کے ساتھ ہر برس حج کے لئے جاتے رہے۔ مدینہ سے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں انبیاء علیہ السلام کی قبروں کی زیارت کرنے کے بعد آپ بغداد گئے۔ جہاں آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

"حضرت سلطان المشائخ کی صحبت وارادت کی برکت سے صرف سترہ روز میں

یہ دولت جاودانی اور سعادت دوجہانی حاصل کرلی۔" (۸)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد مرشد کے حکم (۹) سے آپ ملتان تشریف لے آئے (۱۰) اور یہاں دین اسلام کی خدمت شروع کردی ،

سفینۃ الاولیاء کے مطابق

"ملتان کو جائے قیام بنانے کے بعد شیخ زکریاؒ نے طالبان حق کی ہدایت در ارشاد کی جانب بہت توجہ دی۔ اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہوگئے۔" (۱۱)

حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے ملتان میں ایک ایسا علمی و دینی مدرسہ قائم کیا۔ جس کے فارغ التحصیل اور تربیت یافتہ علماء، مبلغین اور واعظین نے نہ صرف برصغیر کے کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک یعنی جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک اسلام کی روشنی پھیلائی۔ یہ مدرسہ ایک اقامتی یونیورسٹی کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں ہر ملک کے فاضل جمع تھے۔ ان کا کام تدریس دینا تھا۔ انہیں معقول مشاہرہ ملتا تھا اور اُن کے رہنے بسنے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ طالب علموں کے رہنے اور کھانے پینے کا بھی معقول انتظام تھا۔ اس درسگاہ میں دو شعبے تھے۔ ایک کا کام علماء پیدا کرنا اور دوسرے کا مبلغین اور واعظین کی جماعت تیار کرنا تھا۔ مبلغین کو دوسرے ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے بھجوایا جاتا تھا۔ اس لئے انہیں ان ممالک کی تہذیب و ثقافت اور زبان کے بارے میں خاص طور پر تعلیم دی جاتی تھی تاکہ انہیں تبلیغ میں دقت پیش نہ آئے۔ جب یہ مبلغین اور واعظین روانہ ہونے لگتے تو انہیں سامانِ تجارت دیا جاتا تاکہ وہ اپنی روزی کا وسیلہ خود بنیں۔

بہاؤالدین زکریاؒ اپنے بے پناہ علم اور ذہانت کی بناء پر شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کو سلطان شمس الدین التمش نے ملتان پر قبضے کے بعد شیخ الاسلام کے عہدے پر مامور کیا۔ آپ کے ملفوظات میں علم و معارف کے موتی دستیاب ہوتے ہیں۔ آپ نے عاشق کی آہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

چوں صاحب محبت از سینۂ خود آہ زند آتش عشق جملگی دنیا و آنچہ در دنیا

است ناچیز گرداند و خاکستر سازد۔" (۱۲)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

"عشق آتش است کہ کثافت ہا را خاکستر می گرداند۔" (۱۳)

زہد کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"زہد سہ حرف است، اوّل "ز" کہ مراد ازاں ترک زیب و زینت دنیاست، دوم "ھ" کہ عبارت است از ترک ہوا و ہوس، سوم "د" کہ در گزر کردن از دنیا و دولت مطلوب است۔" (۱۴)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"سہ چیز موجبِ ہلاکتِ انسان می تواند باشد۔ اوّل "ارتکابِ گناہ بر امید توبہ" دوم "توبہ نہ کردن بر امید درازی حیات، سوم "گناہ بزرگ خود را بہ امید عفو و بخشش ناچیز گرداندن۔" (۱۵)

اسی طرح ارشاد فرمایا۔

"ترس از خدا چراغ قلبِ انساں است، اگر ایں نباشد انسان در تیرگی ظاہری و باطنی بسر می برد۔" (۱۶)

بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے لمبی عمر پائی تھی۔ (۱۷) انہوں نے کئی سلاطین کا زمانہ دیکھا۔ آپ نے ۷، صفر ۶۶۱ھ (۱۸) بروز منگل اپنے حجرے میں وفات پائی۔

حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کی تصانیف میں "کتاب الاوراد" کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا قدیم ترین قلمی نسخہ جو ۲۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے اسلامک بک فاؤنڈیشن کے تحت ۱۳۹۸ھ میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں نمازوں کی مختلف اقسام، طعام، کھانے کے طریقے، غسل، محرم، مختلف مہینوں کی فضیلت، تراویح، دعا، لباس پہننے کے طریقے، سفر کی کیفیت وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ (۱۹) بہاؤالدین زکریاؒ کی دوسری کتاب "شروط اربعین فی جلوس المعتکفین" ہے۔ اس کتاب

کا متن عربی اور فارسی زبان سے مخلوط ہے ۔ یہ کتاب " انوارِ غوثیہ " میں شامل ہے جو مخدوم حسن بخش کی تصنیف ہے ، الگ سے دستیاب نہیں ہے ۔ اس کتاب میں اعتکاف اور اس سے متعلق احکامات اور ہدایات وغیرہ کی تفصیل موجود ہے ۔ جابجا قرآنی آیات ، احادیث اور بزرگان دین کے حوالے دیئے گئے ہیں ۔ حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک " رسالہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردیؒ " بھی منسوب ہے ۔ یہ کرم خوردہ قلمی نسخہ مولوی شمس الدین تاجر کتب لاہور کے پاس تھا اور ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اسے دیکھا ہے ۔ یہ ۱۳ صفحات پر مشتمل نامکمل کتابچہ ہے ۔ اس رسالے میں مراحل سلوک ، شرائط خلوت و مراتب و مراقبت کا ذکر ہے ۔ (۲۰)

" خلاصۃ العارفین " حضرت غوث بہاؤالحق ملتانیؒ کے ان ملفوظات اور تقریروں پر مشتمل ہے ۔ جن کے راوی مخدوم جلال الدین بخاریؒ ، خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ہیں ۔ اس کتاب کے دس قلمی نسخوں کا ذکر ڈاکٹر شمیم زیدی نے کیا ہے اور اسے مرتب کرکے چھپوایا ہے ۔ (۲۱) خلاصۃ العارفین " ایک نسخہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ہاں بھی ہے ۔ جس کا ذکر موصوفہ نے نہیں کیا ۔ مجھے یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے حاصل ہوا ہے ۔ ڈاکٹر زیدی کے مرتب کردہ نسخے اور اس نسخے کی عبارتوں میں کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا فرق ہے ۔ یہ فرق تمام نسخوں میں موجود ہے اور ان کی طرف ڈاکٹر زیدی نے حاشیے میں اشارہ کر دیا ہے ۔ خلاصۃ العارفین " کا ایک نسخہ سندھ یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے

حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے ساتھ کچھ اشعار بھی منسوب کیے جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر زیدی نے مختلف تذکروں اور ملفوظات سے ان کے کچھ اشعار اکٹھے کئے ہیں ۔ جو سب کے سب فارسی زبان میں ہیں ۔ (۲۲) مجھے ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کا دیوان فارسی (قلمی) دستیاب ہوا ہے ۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے ۔ یہ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں اور ان کی کل تعداد ۲۱۰ ہے ۔ اس کے علاوہ ایک قصیدہ عربی زبان میں در مدح سید المرسلین محمدؐ خاتم النبیین بھی شامل ہے جو غالباً نامکمل ہے کیونکہ بہت مختصر ہے اور دس بارہ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس قلمی نسخے پر کوئی

تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کتاب کا نام لکھا ہے۔ اس کتاب کا ذکر کسی مورخ یا سوانح نگار نے بھی نہیں کیا۔ تاہم اس کے ٹائیٹل صفحے پر لکھا ہوا ہے۔ "این کتاب تصنیف حضرت شیخ غوث بہاء الحق ملتانی"۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعوی ہے کہ یہ نسخہ ان کی دریافت ہے اور انہیں ایک دیہاتی سے دستیاب ہوا ہے اور واقعی غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی کلام کا حامل ہے۔ ہمیں فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے ہم اس فارسی کلام سے استفادہ کر کے اس کو سامنے لائے ہیں۔ اس فارسی کلام میں اخلاق، اور تعلیمات مذہبی کی تلقین جابجا موجود ہے۔ شریعت، طریقت، معرفت، ترک، فقر، خودداری اور محبوب حقیقی کی طرف رجوع اور توجہ کا ذکر اشعار میں بار بار آتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے

شریعت آزار و طریقت قمیص — حقیقت عمامہ شنوائی حریص
ردا معرفت ترک باشد کلاہ — بدین پنج جامہ شوی پادشاہ
ترا بادشاہی مسلّم بود — چو بنیاد در فقر محکم بود

(دیوان فارسی قلمی، صفحہ ۱)

دوسروں کی محتاجی اور دستگیری سے اجتناب، درویشی اور فقیری مسلک اختیار کرنے کی نصیحت اور اللہ تعالےٰ سے تعلق خاطر پیدا کرنے کی تلقین ان اشعار میں ملاحظہ فرمایئے۔

تو محتاج غیری مشو در دیار — کہ محتاج غیری بباشد خوار
کسی را کہ فقرش بود استوار — بمیدان مردان بود شہسوار
کسی را کہ فقرش بگردد تمام — بصدر سلاطین نشیند مدام
توجہ بہ سوئی دلآرام بہ — کہ در کنج با دوست آرام بہ

(دیوان فارسی قلمی، صفحہ ۲)

دنیا میں تونگر حرص و ہوس کی بدولت پریشان حال رہتا ہے۔ اسی طرح بادشاہوں کا اضطراب اور بے سکونی اور دنیا کے مسائل و معاملات کے ہاتھوں لوگوں کے غم اور دکھ کی داستان بھی ان اشعار میں بیان ہوئی ہے۔

تونگر ہمہ عمر حیران بود — کہ در کار دنیا پریشان بود

گدائی ملوکاں کجا کم شود | کہ بر پائی شاں جملہ عالم بود
نہ بینی کہ شاہان چہ حیران تراند | کہ بہر ہوائے پریشان تراند
غم ملک د آلام گنجی کشند | کہ از صبح تا شام رنجی کشند
قراری ندارد کسی در جہاں | کہ غم ہا پریشاں کند ہر زماں

(دیوان فارسی قلمی، صفحہ ۴)

اس دنیا میں انسان کو ہزار ہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے۔ چونکہ صوفی کو ریاضتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اسے زندگی کے دکھوں اور غموں کا تجربہ عام آدمی سے زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اپنے تجربوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس میں تعلیم کا رنگ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

یکی آدم و صد ہزاراں بلا | ہمیشہ بود در بلا مبتلا
بر فرزند آدم غم روزگار | کند ہر دمش در بلا با شکار

(صفحہ ۵)

نہ حاصل مرادش نہ کامل قرار | بہ ہر در کہ گردد بگردد خوار

(صفحہ ۶)

حضرت بہاؤالدین زکریاؒ شکم پروری اور شکم سیری کے مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

شکم را رہا کن زبند بلا | شکم را ندیدم بجز ایں دوا
کہ مرد شکم پر چو گاؤ خراست | نہ بل از سگ و خوک ہم بدتراست

(صفحہ ۶)

اسی طرح دنیا کی بے ثباتی، صبح و شام کی گردش، تغیر کا عالمگیر نظام اور نفس انسانی کی بے حقیقتی کے مضامین بھی اس کلام میں موجود ہیں۔

چو در صبح آید نماند بہ شام | بیک حال ہرگز نماند دوام

ثبــاتی ندارد بیاید رود — بقائی ندارد شتاباں رود
بمشکل دہر دست آساں رود — بمشکل بیاید شتاباں رود
چو خواب است دنیا ندارد خیال — یکی را بزینت نماند جمال
چو بندی دل خود بریں بیوفا — کہ آید، گریزد، نبینند قفا

(صفحہ ۸)

صوفی کے اوصاف میں سے ایک پسندیدہ وصف قناعت اور توکل ہے۔ قناعت کا سبق تصوف کے اولین اسباق میں سے ہے۔ اس مثنوی میں قناعت کی تلقین بھی ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بغیر از قناعت بگردد خوار — کہ عزت نہ بیند، گہی در دیار
قناعت بدرویش گنج خدا است — گر ایں گنج دارد کسی پادشاست

(صفحہ ۱۰)

فقر اور قناعت کے ساتھ ساتھ صوفی صبر و تحمل سے بھی کام لیتا ہے کیونکہ صبر کی قوت انسانی نفس کو مجاہدے پر مائل کرتی ہے اور اسے مشکلات کے مقابلے میں سرخرو بناتی ہے قرآن اور حدیث میں صبر کی خوبی کو سراہا گیا ہے۔ ایک مقام پر جا کر صبر اور فقر ہم معنی لفظ بن جاتے ہیں۔ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی ؒ کے کلام میں صبر کی تعریف اس طرح ہے۔

ہمہ کار بستہ کشاید ز صبر — کہ ہر حاجت تو بر آید ز صبر
ترا صبر با دوست سازد بلند — بکہ صبر است نزدیک دانا پسند
نماید ترا عقل جبل متین — کہ اللہ باشد مع الصابرین
اگر فقر با صبر باشد ترا — سود در جہاں ملک حاصل ترا
ترا فقر فخری نماید جمال — بدیں فقر فخری بہ یابی کمال

(صفحہ ۱۱)

عشق کی فضیلت کو کون نہیں جانتا۔ یہ جذبوں کا سرتاج اور تصوف کی اقلیم کا فاتح ہے لیکن عشق کا جام ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہے۔ اسے پینے والے رندان بلانوش

ہوتے ہیں. جن کے پاس ظرف بھی ہوتا ہے اور شوق بھی ۔ بہاؤالحق ملتانی جذبہ عشق کی تمام کیفیتوں سے واقف ہیں ۔ اس لئے شعر کے حوالے سے حقائق بیان کرتے ہیں ۔

بجز عشق یاری دگر ہیچ نیست | کہ احوالِ عالم ، بجز ہیچ نیست
نہ ہر عشق از جملہ فائق تراست | نہ ہر کس بدیں شوق لائق تراست
نہ ہر مرد در بحر غواص شد | نہ ہر بندۂ مرد خواص شد
بعشاق حضرت بگیرد مقیم | مگر ایں کہ آید بقلب سلیم

(صفحہ ۱۳)

ظاہر ہے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کی خوشنودی کا خواہاں رہتا ہے اور اس کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے ۔ عاشق صادق کا سارا عیش دراصل معشوق کے وجود کا مرہون منت ہوتا ہے ۔ سوائے عشق کے اس کے لئے کچھ زیبا نہیں ہوتا . یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک اس راہ میں دے دیتا ہے لیکن یہ عشق دراصل حقیقت کا عشق ہے ۔ وجود مطلق کو پانے کا عشق ہے اور یہی عشق ہے جو ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے ۔ بہاؤالدین زکریاؒ نے اس مضمون کو اس طرح پیش کیا ۔ فرماتے ہیں .

ہمہ عیش عاشق بہ معشوق ہست | کہ از بہر او ہر دو عالم شکست
بجز عشق جانرا چہ زیبا بوَد | بجز جاں دریں رہ کہ شیدا بود
ہمہ وقت عاشق بہ تقویٰ بود | از ادنیٰ گذشتہ بہ اعلیٰ بود
ترا عشق باید کہ باحق بود | کہ عشاق در عشق مطلق بود
چو چوگان عشقت بدست آوری | تو گوئی سعادت ز میداں بری

(صفحہ ۱۹)

عشق ہمیشہ ابدی ہوتا ہے اور اس کا تعلق بھی ابدیت کے ساتھ ہوتا ہے ۔ فانی اور عارضی چیزوں سے اس کا کوئی گزارا اور واسطہ نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ دنیا تو چل چلاؤ کا مقام ہے اور اس کی ہر چیز فنا پذیر ہے ۔ اس لئے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ فرماتے ہیں ۔

اقامت نہ دارد کسی در جہان | سفر پیش آید بگردد رواں

چنین رسم دنیا که فانی فنا ست　　　　دل خود به فانی به بستن خطا ست
(صفحہ ۲۰)

غرض اس مختصر سی مثنوی میں اخلاق و معارف کے کتنے مضامین ادا ہوئے ہیں۔ جو انسان کی فلاح کے لئے ایک مثالی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اسلوب نہایت سادہ، عام فہم اور رواں دواں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے ساتھ پنجابی، ملتانی یا اُردو کا ایک جملہ بھی منسوب نہیں ہے حالانکہ ان کے ہمعصر بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت جلال الدین سرخ بخاریؒ، حضرت راجو قتالؒ، حضرت شمس سبزواریؒ سب کے یہاں مقامی اور دیسی زبانوں کے جملے، فقرے، اقوال یا اشعار ملتے ہیں۔ دراصل اس دور کی علمی وادبی اور سرکاری و درباری اور تحریری زبان فارسی ہی تھی۔ اس لئے بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کے یہاں بھی فارسی زبان کا استعمال ہی ملتا ہے۔

حواشی

۱۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ مندرجہ ذیل کتب میں تاریخ ولادت ۲۷ رمضان ۵۶۶ ھ درج ہے۔

(i) تذکرہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ از نور احمد خاں فریدی : ۴۷۔

(ii) سیرالعارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی : ۱۱۴۔

(iii) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم : ۱۴

(iv) تواریخ ملتان از حکیم چند : ۳۷

(v) نزہتہ الخواطر از مولانا عبدالحیؒ : ۲۲۲۔

(vi) تذکرہ اولیائے ہند از مولوی عبدالرحمان چشتی : ۱۳۱۔

(vii) خلاصتہ الاجاب (قلمی) : ۴۷

(viii) سفینتہ الاولیاء (قلمی) : ۱۷۶

مندرجہ ذیل کتب کی رو سے آپ کی ولادت ۵٦۵ھ کو ہوئی۔

(i) مراۃ الاسرار جلد دوم : ۱۳۱۔

(ii) مرقع ملتان از اولاد علی گیلانی : ۲۱۲۔

(iii) آئین اکبری از ابو الفضل : ۲۰۷۔

مندرجہ ذیل کتب میں تاریخ ولادت ۵۷۸ھ درج ہے۔

(i) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی ، ۳۵٦۔

(ii) حدیقۃ الاولیاء ، ۴۹۔

(iii) تحفۃ الابرار از نواب مرزا آفتاب بیگ : ۸

(iv) منبع البرکات (ترجمہ) از مخدوم عبدالرشید حقانی : ٦۹۔

اخبار الاخیار کے مطابق ۴٦۲ھ تاریخ ولادت ہے۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار[۱۹۰] کے مطابق ۵۴۴ھ، تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ : ۸۴ کے مطابق ۵۸۴ھ، لیکن اکثریت نے ۵٦٦ھ کو تاریخ ولادت قرار دیا ہے۔

۲۔ تواریخ ملتان از حکیم چند صفحہ ٦۴ پر لکھتے ہیں کہ

"یہ خاندان اولاد بہاؤ الدین زکریا المعروف بہاؤ الحقؒ سے اور ان کو قریشی کہتے ہیں سید نہیں ہیں۔ قریشی کی وجہ تسمیہ یہ سنی جاتی ہے کہ قریش ایک ٹبہ پہاڑ کا نام تھا۔ اس ٹبہ کی نواح میں جو لوگ رہتے تھے۔ ان کو قریشی بولتے تھے۔ دوم یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا جانور قرشس نامی تھا، وہ کسی سے مارا نہیں جاتا تھا۔ اس خاندان کے لوگوں نے اس کو مارا، اس واسطے قریشی مشہور ہوئے۔"

۳۔ منبع البرکات (تذکرہ حقانیہ) قلمی از شیخ شرف الدین قریشی : ۴۵۔

۴۔ تذکرہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ از مولانا نور احمد خاں فریدی : ۴۴۔

۵۔ (i) خلاصۃ العارفین فارسی : ۱۲ - ۱۳۔

(ii) ملفوظات حضرت بہاء الحق زکریا ملتانیؒ (قلمی)

یہ کتاب ڈاکٹر مہر عبد الحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی۔ اس پر یہ عبارت

لکھی ہے ـــــــ ضیاء الدین بن حافظ مولوی عبداللہ قادری ساکن ملتان بیرون بوہڑ دروازہ در کٹڑی افغاناں ۲۷، شعبان بروز دوشنبہ ۱۲۹۰ھ میں کتابت کی

(نوٹ) یہی عبارت ڈاکٹر زیدی کی مرتب کردہ " خلاصۃ العارفین " میں صفحہ ۱۲۹ پر کچھ الفاظ کے فرق سے درج ہے۔

۶۔ (i) تذکرہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ از نور احمد خاں فریدی : ۴۴۔

(ii) پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے مطابق

" انہوں نے بخارا میں نہ صرف اپنی تعلیم کو مکمل کیا بلکہ ۱۵ سال تدریس اور افادہ علوم میں بھی مصروف رہے "

(بحوالہ مقالات دینی و علمی جلد اول : ۲۶۰، مطبوعہ مزدور پرنٹنگ پریس لاہور۔

۷۔ سید العارفین : ۱۴۵

۸۔ سید العارفین : ۱۴۵، تواریخ ملتان : ۷۳، مراۃ الاسرار جلد دوم : ۱۳۷، آب کوثر : ۲۵۶، فوائد الفواد : ۱۱۹، حیات صوفیہ تلخیص اور اردو ترجمہ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمان جامی، مترجم محمد ادریس انصاری : ۴۳۸، مطبوعہ ادارہ تبلیغ اسلام صادق آباد۔

۹۔ (i) شیخ الشیوخؒ نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو وداع کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ ملتان جاکر سکونت اختیار کرو۔ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے رجوع ہوئی ہے۔

(بحوالہ تذکرہ مشائخ کرام یعنی تاریخ فرشتہ، مؤلفہ حکیم محمد فرشتہ : ۱۳۳، مطبوعہ احسن برادر لاہور)

(ii) مزید تفصیل کے لئے روضۂ اقطاب (فارسی) از صاحبزادہ سید محمد باذ مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۴ھ)۔

۱۰۔ شیخ محمد اکرام نے " آب کوثر " میں صفحہ ۲۵۶ پر " الاذکار غوثیہ " کے حوالے سے لکھا ہے " اسلامی ممالک کے سفر سے واپسی پر صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر کچھ عرصہ تنہائی میں

عبارت کی، جسے اب کوہ یشخ بودین (کوہ شیخ بہاؤالدین کہتے ہیں۔

۱۱۔ سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ فارسی (ص ۲،۷)

عبارت یوں ہے۔

" حضرت یشخ الشیوخ بملتان آمدہ متوطن شدند و بادشاہ طالبان مشغول گشتہ و خلق بسیار از برکت قدوم ایشاں ہدایت رسیدند واہل آن دیار تمام مرید و معتقد ایشاں گشتند "

۱۲۔ خلاصۃ العارفین (قلمی)، ص : ۴۹۔

۱۳ تا ۱۶۔ خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص : ۴۰ - ۴۱۔

۱۷۔ خلاصۃ الاحباب (قلمی) از محمد افضل قریشی، ص : ۴،۷) کے مطابق آپ نے سو سال عمر پائی۔ چونکہ آپ ۵۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے سن وفات ۶۶۶ھ بنتا ہے۔

۱۸۔ سن پیدائش کی طرح آپ کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱) سیر العارفین صفحہ ۱۷۸، (۲) "تذکرہ بہاؤالدین زکریا ملتانی" صفحہ ۱۰۳، (۳) آب کوثر، صفحہ ۲۶، (۴) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی صفحہ ۲۵۶، (۵) اخبار الاخیار صفحہ ۶۶، ان سب نے متفقہ طور پر سن وفات ۶۶۱ھ لکھا ہے، جبکہ (۱) نزہتہ الخواطر صفحہ ۲۳۴ (۲) تواریخ ملتان از حکیم چند صفحہ ۷۳، (۳) مقالات دینی و علمی (جلد اول، صفحہ ۲۶۲، (۴) سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۱۵، (۵) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار صفحہ ۱۹۰، نسخہ (۶) خلاصۃ الاحباب صفحہ ۴،۷ اور حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۲،۷ میں سن وفات ۶۶۶ھ درج ہے۔ اور (۱) مرأۃ الاسرار (جلد دوم) صفحہ ۱۴۱ (۲) مرقع مولتان از اولاد علی گیلانی صفحہ ۲۱۳، (۳) آئین اکبری صفحہ ۲۰۷ میں ۶۶۵ھ سن وفات لکھا ہے اور تذکرہ مشائخ کرام صفحہ ۱۵۰ میں ۶۷۷ھ درج ہے۔

۱۹۔ ملاحظہ فرمائیں " الاوراد" اشاعت اولین مخطوطہ قدیم۔ بتصحیح و تحشیہ محمد میاں صدیقی مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء۔

۲۰۔ ملاحظہ فرمائیے۔ (۱) احوال و آثار ۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ و خلاصۃ العارفین، ص ۹۰۔ ۱۰۹ (۲) تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ از نور احمد فریدی صفحہ ۲۶۹ تا ۲۹۴

۲۱۔ ملاحظہ فرمائیے" احوال و آثار ۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" بہ تصحیح و تحشیہ و کوشش از ڈاکٹر شمیم محمود زیدی۔ مطبوعہ از اشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔

۲۲۔ ملاحظہ فرمائیے۔" احوال و آثار ۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، و خلاصۃ العارفین صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۱

عارف نوشاہی

برِصغیر میں فارسی کتابوں کے تسمیہ کے مختلف رُجحانات

پاکستان کے ایک معاصر اُردو انشائیہ نویس کی تحریروں کے مجموعوں کے نام : گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی ، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی ، کڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو' پڑھ کر محسوس ہوا کہ موجودہ دور میں کتابوں کا نام رکھنے میں کس قدر جدّت پیدا ہوگئی ہے۔ ہر چند کہ یہ جدّت الفاظ کی حد تک ہی محدود ہے اور اس کا معنویت اور جمالیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

معمول سے ہٹے ہوتے کتابوں کے نام صرف اُردو ادب میں ہی نہیں پائے جاتے بلکہ یہ بدعت معاصر فارسی ادب میں بھی رائج ہے۔ مثلاً ایک ایرانی شاعر کے مجموعۂ کلام کا نام "مُشت درجیب" ہے۔ ایک دوسرے ایرانی مصنف نے اپنے افسانوں کے مجموعے کو " شلوارهای وصله دار" سے موسوم کیا ہے۔ یعنی پیوند لگی پتلونیں۔

ان مہمل ناموں پر غور کرتے ہوئے میرے ذہن خیال آیا کہ کیوں نہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ پچھلے زمانے میں ہمارے ہاں کتابوں کا نام رکھنے کے کیا رجحانات رہے ہیں ۔ چونکہ میرا واسطہ فارسی کتابوں سے رہتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ جائزہ صرف فارسی کتب تک محدود کردیا ہے۔ یوں تو اس نوعیت کا جائزہ مختلف زاویوں سے مرتب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

الف ۔ کسی ایک موضوع پر کتابوں کا نام رکھنے کا رجحان۔

ب ۔ کسی ایک زمانے میں کتابوں کے ناموں کی نوعیت۔

تاریخ ولادت : ۲، شعبان ۱۳۷۴ھ / ۲۶، مارچ ۱۹۵۵ء۔

مؤلف ۱: فہرست نسخه های خطی فارسی موزهٔ ملی پاکستان ، کراچی ۔

۲: فہرست نسخه های خطی فارسی انجمن ترقی اردو ، کراچی ۔

ج ؛ کسی خاص علاقے کی کتابوں کے ناموں کی خصوصیت ۔
د ؛ مختلف ادوار میں کتابوں کا نام رکھنے کا میلان ۔
ھ ؛ مختلف علاقوں میں کتابوں کی نام گزاری ۔
و ؛ مصنفین کے مختلف طبقات اپنی کتابوں کے کس نوعیت کے نام رکھنا پسند کرتے تھے ۔

مگر میں نے اختصار کے پیش نظر ایک مجموعی جائزہ لیا ہے ۔ یعنی اس میں مختلف موضوعات پر مختلف ادوار میں لکھی گئی کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے ۔ مصنف بھی مختلف ہیں ۔ طوالت کے خوف سے زمانۂ تصنیف اور موضوع کی تصریح نہیں کی گئی بلکہ یہاں صرف ناموں کے بالذات تنوع سے سروکار رکھا گیا ہے ۔

اسم سے اس کے مسمّیٰ کا اندازہ ہوتا ہے ۔ چاہے وہ نام حیوانات کا ہو یا جمادات کا ۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نہ صرف اپنی اولاد بلکہ دیگر تخلیقات اور مصنوعات کا نام رکھتے وقت ذوق جمالیات اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتا ہے تاکہ اسم سے ہی مسمّی کی ماہیت کا اندازہ ہو جائے اور یہ امر واضح ہے کہ ہر دور کے تقاضے اور جمال پرستی کا معیار مختلف رہا ہے ۔ البتہ موجودہ زمانے سمیت تمام ادوار میں اس بات پر اتفاق اور اشتراک نظر آتا ہے کہ انسانی ناموں کو مذہبی مقدسات سے قریب تر رکھا گیا ہے ۔

. تمدن انسانی میں اشخاص کے ناموں کے بعد سب سے زیادہ تنوع کتابوں اور بستیوں کے ناموں میں پایا جاتا ہے ۔ بلاد کی وجہ تسمیہ تو ہمارے موضوع سے باہر ہے لیکن حیرت ہے کہ کتابوں کے تسمیہ میں انسانوں نے مذہبی مقدسات سے اس وابستگی کا مظاہرہ نہیں کیا جو وہ اپنے نومولودوں کا نام رکھتے وقت کرتا ہے ۔

پاکستان و ہندوستان میں فارسی کتابوں کی نام گزاری میں نمایاں رجحانات یہ رہے ہیں ؛ موضوع اور مصنف کے نام کی تصریح کرنے والے مرکب عنوانات ، باغ و بہار اور اس کے جملہ متعلقات سے ماخوذ نام ۔ عناصر اربعہ میں سے پانی اور آگ (روشنی) سے تعلق رکھنے والے نام ، علوم عقلی کی اصطلاحات پر مبنی نام ، کتاب کی بڑھائی ظاہر کرنے کے لئے متعلقہ الفاظ کو بطور سابقہ استعمال کرنا ، قیمتی اشیاء یا خزانے کی اہمیت کے پیش نظر ناموں کا انتخاب ۔ ردود کی کتابوں میں ایسے الفاظ کا چناؤ جو رعب دار ہوں اور اس سے مدمقابل کی سرزنش ہوتی ہو ۔ اعداد پر کتابوں

کے نام، کہانیوں کی کتابوں میں کہانی کے مرکزی کرداروں پر کتاب کا نام، علمی فضیلت جتانے کے لئے کتابوں کے بھاری بھرکم مسجع عربی نام، مصنوع کتابوں کا نام بھی مصنوع رکھنا۔ تاریخ تصنیف ظاہر کرنے والے نام اور دیگر متفرق نام (الفاظ) جو کثرت سے استعمال ہوتے ہیں یہاں ان میں سے بعض رجحانات کی مثالوں کے ساتھ نشاندہی کی جاتی ہے۔

موضوع اور مصنّف کے نام کی وضاحت کرنیوالے نام

کتابوں کا نام رکھنے میں سب سے سادہ طریقہ، کتاب کے موضوع اور مصنّف یا مهدالیه (جسے کتاب هدیه کی گئی ہو) کے نام کی ترکیب ہے۔ اس سے فوراً کتاب کے نفس مضمون مصنّف کے نام اور معروف مهدالیه ہونے کی صورت میں زمانۂ تصنیف کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً "طبِّ اکبر" اس نام میں موضوع کی صراحت موجود ہے اور مصنّف کے نام حکیم محمد اکبر ارزانی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ "اخلاق جہانگیری" سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق کی یہ کتاب جہانگیر بادشاہ کو پیش کی گئی۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مصنّف نے کتاب کا اصل نام تو کچھ اور رکھا مگر کتاب کی مقبولیت کے باعث اس کا ایسا نام پڑگیا۔ جس سے موضوع اور مصنف کا اعلان ہوتا ہے مثلاً اگر میں "ارشادالطالبین" لکھوں تو ذہن فوراً اس طرف جائے گا کہ یہ سیر و سلوک کے طالبوں کی رشد و ہدایت کے لئے لکھی گئی کتاب کا نام ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ تو ایک ہندو ھرکرن ولد متھرا داس ملتانی کی "انشائے ھرکرن" کا نام ہے جو اس کثرت سے متداول ہے کہ کتاب کے مطبوعہ نسخوں کے سرورق پر بھی یہی عرفی نام ملتا ہے۔

اب چند ایسی کتابوں کے نام، جن سے موضوع اور مصنّف یا مهدالیه کے نام کی تصریح ہوتی ہے۔

تاریخ

- تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، خواجہ نعمت اللہ نے اسے خان جہان لودھی کے لئے لکھا۔
- تاریخ شاکر خانی، یہ شاکر خاں بن شمس الدولہ لطف اللہ خان بہادر کی تصنیف ہے۔

تذکرہ

آج کل ہم "تذکرہ" کا اطلاق صرف ایسی کتابوں پر کرتے ہیں جو شعراء اور اولیاء کی زندگی پر مبنی ہوں مگر ماضی میں یہ لفظ اپنے وسیع تر لغوی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کسی بھی چیز کا تذکرہ کرنا۔ مثلاً

- تذکرۃ الموتی والقبور، قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ کتاب موت کے اور قبر کے مسائل کے بارے میں ہے۔
- تذکرۂ اسحاقیہ، شیخ محمد اسحاق ملتانی کی طب پر کتاب۔
- تذکرۃ الہند، حکیم رضا علی خان حیدرآبادی کی ہندوستانی طب پر ضخیم کتاب۔

تذکرہ کے موجودہ زمانے میں رائج مفہوم کے مطابق چند نام یہ ہیں۔

- تذکرۃ الابرار والاشرار، اخوند درویزہ کی معروف کتاب، جس میں صوفیائے حق پرست اور صوفیائے خام کا تذکرہ ہے۔
- تذکرۂ ریختہ گویان، فتح اللہ گردیزی کی کتاب، نام سے ظاہر ہے کہ اردو شعراء کا تذکرہ ہے۔ البتہ فارسی میں لکھا گیا ہے۔

تفسیر

تفسیر ثنا (خواجہ ثناء اللہ خراباتی جلال پوری)، تفسیر عزیزی (شاہ عبدالعزیز دہلوی)

طب

- طبِ اورنگ شاہی، حکیم درویش محمد امین آبادی نے اورنگ زیب کو پیش کی۔
- طبِ دارا شکوہی، عین الملک شیرازی نے اسے دارا شکوہ سے منسوب کیا۔

اسی طرح فتاوی، فرہنگ، قرابادین، مکتوبات، ملفوظات، مناقب اور انشاء کے الفاظ سے شروع ہونے والے نام، کتابوں کے موضوع کی صراحت کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ رائج نام

یہاں چند ایسے الفاظ دیے جاتے ہیں جو متعدد کتابوں کے نام کا سابقہ یا لاحقہ ہیں،
ارشاد، اسرار، انیس، تحفہ، راحت، رفیق، زاد، فتح، فوائد، فیض، کاشف، کشف
کلید، مرأت، مطلوب، مفتاح، مقصود، منہاج، مونس، نافع، ہدایت۔

باغ سے متعلقہ نام

جہاں تک میرا مشاہدہ ہے ہمارے ماضی کے مصنفین نے بکثرت ایسے ناموں کا انتخاب کیا ہے جو کسی نہ کسی طرح باغ، پھول اور معطر ہوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ رجحان غالباً سعدی کی گلستان اور بوستان کی مقبولیت کے باعث پیدا ہوا۔ دوسری طرف یہ متاخر مصنفوں کے ذوقِ لطیف کی غمازی بھی کرتا ہے۔ ایسے نام قریب قریب سبھی موضوعات میں پائے جاتے ہیں۔
یہاں چند ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ازھار الادیہ (غلام علی کشمیری)، باغیچہ قادریہ (احمد ساکن ڈیرہ غازی خان) باغ بہشت (عبد الشکور کشمیری)، باغ و بہار (محمد خیر الزمان لکھنوی)، بستان معرفت (محمد شاہ قصوری)، تازہ گلشن (ضیاء)، تفریح الجنان فی علم الابدان (محمد مشرف)، بوستان المعلمین (امام الدین خان)، بہار دانش (کنبوہ)، بہارستان (خویشگی قصوری)، ثمرات الحیات (عاقل خان)، ثمرۃ الخلافۃ (دلدار علی لکھنوی)، جنت العارفین (خراباتی)، چمنستان (انندرام)، حدائق الانس (گیسو دراز) حدیقہ قادریہ (رمضان)، خیابان شرح گلستان (آرزو)، روضات (عبد الحق دہلوی)، روضۃ الحسنیٰ (شاہ عیسی برہان پوری)، ریاض القدس (نظام الدین تھانیسری)، زعفران زار (ابو المعالی لاہوری) سبع سنابل (بلگرامی)، شالامار سخن، شجرات العرفا و ثمرات الفقرا (شیخ محمد بن درویش علی)، شجرۃ الانساب (غلام رسول قصوری)، فردوس العارفین (بلوچ خان تالپور)، گلدستۂ ہمیشہ بہار (قادر بخش)، گل رعنا (شفیق اورنگ آبادی)، گلزار حال (بنوالی داس)، گل ریز (خویشگی قصوری) گلستانِ سُنیان، گلشن وحدت، (محمد مراد کشمیری)، گل بہار (محمد ادریس)، لخلخہ گلاب (قصوری) نسیم ریاض۔

کتاب کی بڑائی ظاہر کرنے والے نام

کتاب کے نفس مضمون کی فی الواقعہ صحت اور خوبی سے قطع نظر متعدد کتابوں کے ایسے نام ملتے ہیں جو کتاب کے صحیح، عمدہ اور اپنے موضوع پر بھرپور ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں. البتہ یہ ضرور ہے کہ ایسے نام چھوٹے موٹے رسالوں کے لئے استعمال نہیں کئے جاتے تھے، بلکہ ان کا اطلاق موٹی موٹی کتابوں پر ہوتا تھا۔ اپنی کتاب کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے زیادہ تر ان الفاظ سے مدد لی جاتی : احسن، اشرف، افتخار، افضل، اتم، بدیع، تاج، جامع، خلاصہ، خیر، زبدہ، عمدہ، مجمع، منتخب، نفایس وغیرہ، انہی میں سے چند سابقوں کے ساتھ یہ نام ملاحظہ فرمائیں :

احسن البیان فی تفسیر القرآن (جان محمد)، اشرف الانشا (عبد الفتاح گلشن آبادی)، افتخار الاطباء (عماد الدین خان رام پوری)، اتم الصحایف (مسعود بیگ)، بدیع التحریر (رحم علی فرخ آبادی)، تاج العلاج (عاصی جونپوری)، جامع العلوم و خلاصۃ الالفاظ (مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ)، خیر الکتاب (خیر الدین)، زبدۃ النجوم (گدائی)، عمدۃ التحریر (غلام محی الدین قصوری) مجمع الاسرار (بہادر شاہ)

ردود کی کتابوں کے نام

علمی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنا، شروع سے متداول رہا ہے. ضروری نہیں کہ یہ اختلاف صرف عقائد کے معاملے میں ہو بلکہ دیگر علوم معقول و منقول میں بھی مصنفین ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں اور کتابوں کا جواب لکھتے رہے ہیں۔ اس معاملے میں دلچسپی کی بات یہ ہے کہ ردود کی کتابوں کے نام بڑے دبنگ قسم کے ہیں۔ ایسے کہ صرف نام پڑھ کر ہی مد مقابل پر ہیبت طاری ہو جائے۔ الفاظ کے چناؤ میں اس بات کا اہتمام کیا جاتا کہ اس سے اختلافی موضوع اور مصنف کی تردید و تکذیب کا اظہار ہو۔ ایسی کتابوں کے نام عام طور پر لفظ ازالہ، برق، بوارق، تنبیہ، دافع، سیف، صمصام اور کشف سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا، برق خاطف و رعد قاصف، بوارق خاطفہ رد صوارم محرقہ، تنبیہ الاغبیا بحیاۃ الانبیا، دافع الملحدین، سیف النضال فی ردّ اهل الضلال، صمصام قاطع د

برق لامع ، لفظ "کشف" کا استعمال ایک شیعہ مصنف ابو علی حسینی دہلوی نے خوب کیا ہے۔
ان کی چند کتابوں کے نام ملاحظہ ہوں : کشف الرین فی اثبات عزاء الحسین ، کشف الغین عن تعزیۃ الحسین ، کشف الغمام عن تعزیۃ الامام ، کشف السحاب ۔

یہاں ادبی تنقید پر مشتمل تین کتابوں کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا ۔ اتفاق سے یہ تینوں کتابیں میر آزاد بلگرامی سے تعلق رکھتی ہیں ۔

- تحقیق السداد فی مذلۃ الآزاد ، محمد صدیق سخنور بلگرامی کی یہ کتاب آزاد بلگرامی کے کلام کے معائب کے تذکرے پر مشتمل ہے ۔
- تادیب الزندیق فی تکذیب الصدیق ، میر عبد القادر مہربان اورنگ آبادی نے سخنور بلگرامی کی مذکورہ بالا کتاب کا رد لکھا ہے ۔
- چہار صد ایراد بر کلام آزاد ، محمد باقر آگاہ مدراسی کی تصنیف ہے ۔ نام سے ظاہر ہے کہ آزاد کے کلام پر چار سو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں ۔

اعداد پر کتابوں کے نام

دنیا کے ہر مذہب اور قوم کے ہاں مختلف اعداد بطورِ خاص اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے نزدیک اعداد سے تقدس اور سعد و نحس وابستہ ہوتا ہے ۔ سب سے زیادہ توجہ کا حامل عدد "سات" ہے ۔ جس کی وجوہات طبعی ہیں ، مثلاً سات آسمان ، سات ستارے ، سات سمندر ، سات گرتے سات رنگ وغیرہ ۔ اسلام میں "چالیس" کا عدد قابلِ لحاظ ہے ۔ جس کی وجہ سے چالیس حدیثوں کا انتخاب ، چالیس دن کی عبادت ، اور موت کے چالیسویں دن خاص تقریب کا انعقاد کیا جاتا ہے ۔

اعداد کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر کئی مصنفین نے اپنی کتابوں کے نام عددوں پر رکھے ہیں ۔ بے شک کتاب کے اندر موجود فصول و ابواب وغیرہ کی تعداد اسی عدد کے مطابق ہوتی ہے مگر بنیادی اہمیت "عدد" کی ہے ۔

عددی ترتیب کے مطابق بعض نام ملاحظہ ہوں ۔

چہار = ۴

چہار بہار (محمد ہاشم تھرپالوی) ، چہار چمن (چندر بھان برہمن) ، چہار شربت (قتیل لاہوری)

پانچ = ۵

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مستعمل ہونے والا نام "پنج گنج" ہے۔ چاہے وہ کسی مفرد کتاب کا نام ہو یا پانچ مختلف کتابوں کے مجموعے کا۔ مفرد کتابوں میں سید محمد شمس الدین اوچی کی کتاب کا نام "پنج گنج" اور مرکب کتابوں میں "پندنامہ، کریما، نام حق، محمود نامہ اور رسالہ قاضی قطب کے مجموعے کو" پنج گنج "کہتے ہیں۔

چھ = ۶

ستۂ ضروریہ (مولوی غلام اعلیٰ قصوری)، شش جہت (روپ نرائن سیالکوٹی)

سات = ۷

سبع سنابل (عبدالواحد بلگرامی)، ہفت تماشا (قتیل لاہوری)، ہفت کشور (فیضی)

آٹھ = ۸

ہشت بہشت (خسرو)، ہشت خُلد (بغن داس کوکب)، ہشت محفل (ابوالمعالی لاہوری)

نَو = ۹

نہ سپہر (خسرو)

دس = ۱۰

دہ قاعدہ (خواجہ باقی باللہ دہلوی)، میر سید علی ہمدانی)

چالیس = ۴۰

چہل حدیث (متعدد مجموعے)، چہل ناموس (ضیاء الدین نخشبی)

سو = ۱۰۰

صد حکایت اور صد حکمت (دونوں عبدالفتاح گلشن آبادی کی کتابیں)

ہزار = ۱۰۰۰

مایہ مسائل فی تحصیل الفضائل (محمد اسحاق دہلوی)

علوم عقلی سے متعلق اصطلاحات سے ماخوذ نام

ایسے ناموں میں زیادہ تر علم منطق کی اصطلاحات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس نوعیت کے نام لفظ آداب، احکام، اخبار، برھان، بیان، تبصرہ، تحقیق، تذکرہ، تشریح، تعلیم، حجت، دستور، دلائل اور دلیل وغیرہ سے شروع ہوتے ہیں، جیسے یہ چند نام:

آداب المریدین (عبیداللہ ملتانی)، احکام الرمل (غلام رسول قادری) اخبار الاولیاء (خویشگی قصوری)، برھان العاشقین (گیسودراز)، البیان فی قباحۃ الدخان (جان محمد سیالکوٹی)، تبصرۃ الاطباء (نتھوشاہ)، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (پیر مہر علی شاہ)، تشریح الحروف (حسین دوست سنبھلی)، حُجت الہند۔

مادیات کی اہمیت پر دلالت کرنے والے نام

اگرچہ عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ گذرے ہوئے زمانے میں مادی اقدار کی بجائے روحانی اور اخلاقی اقدار کا چرچا تھا لیکن بعض کتابوں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانے میں بھی مادیات پر توجہ تھی اور "خزانے" کو وہی اہمیت دی جاتی، جو آج دی جاتی ہے۔ ہمیں متعدد ایسے نام ملتے ہیں جو خزانے یا اس سے ملتے جلتے مفہوم اور دیگر قیمتی مادی اشیاء کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً جواہر خمسہ (محمد غوث گوالیاری)، خزانۂ جواہر جلالی (جہانیاں جہاں گشت کے ملفوظات)، خزینۃ المعارف (عبیداللہ مجددی)، الدُرّ المنشور .... (عبدالغفور شکارپوری)، دُرۃ التاج (عبیداللہ سرہندی)، ذخیرۃ الملوک (میر سید علی ہمدانی)، کنز رحمت (محمد اشرف منچری)، کنز ہمایوں (احمد شاہ ہندی)، گنج اسرار (گنج شکر)، مخزن الاسلام (آخوند درویزہ) معدن الشفا

(بہورہ خاں)

خزانے کے اسی حوالے سے بعض کتابوں کے نام "کلید" اور "مفتاح" سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً کلیدِ مخازن (گوالیاری)، مفتاح المخزن (حبیب اللہ ملتانی)

روشنی کے مفہوم والے نام

روشنی کو انسانی معاشرے میں برتری اور بعض مذاہب میں جو تقدس حاصل ہے۔ غالباً اسی کے پیشِ نظر متعدد کتابوں کو "نور" کے مفہوم سے موسوم کیا گیا۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں، انوارِ جمالیہ (غلام حسن ملتانی)، چراغ طالع (لعل چند)، سراج العارفین (محمد بہادر خان سنبھلی) لمعات قادریہ (محمد فاضل)، لوامع التنزیل (ابوالقاسم لاہوری)، مصابیح العارفین (عبدالکریم لاہوری) مصباح السالکین (عبدالعظیم لاہوری)، مطلع الانوار (خسرو)، نور الھدیٰ (سلطان باہوؒ)

ایک کتاب کے کئی نام رکھنا

بعض مصنفین اپنی کتاب کے ایک سے زائد نام رکھتے رہے ہیں۔ اضافی نام کو لقب، عرف اور مادۂ تاریخ کا نام دیا جاتا۔ اگر ایک کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہوتی، تو ہر جلد کا علیحدہ نام رکھنے کا التزام بھی کیا جاتا۔ ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں؛

- جوارح نامۂ امامیہ فی قوانین الصیاد، یا صید المراد فی قوانین الصیّاد، یہ داؤد عباسی سندھی کی تصنیف ہے۔
- تذکرۃ الہند مشہور بہ یادگار رضائی (حکیم رضا علی خان)
- بستانِ خلیل، شاھد نظم، شرحِ فیض، تصنیفِ خلیل، یہ چاروں تاریخی نام خلیل بنگلوری کی ایک کتاب کے ہیں۔
- مکتوبات امام ربّانی تین دفتروں میں مرتب ہوئے ہیں۔ ہر دفتر کا الگ الگ نام ہے: درّ المعرفت، نور الخلائق، معرفت الحقائق۔

کئی کتابوں کا ایک نام

ایسا بھی ہوا ہے کہ دو مصنفوں نے اپنی اپنی تصنیف کے لئے ایک ہی نام منتخب کیا۔ بعض

اوقات نام کی یہ یکسانیت بعد کے زمانے میں کتاب کے اصل مصنف سے انتساب میں مشکل کا باعث بھی ہوئی ہے ۔ میرے پاس ایک ہی نام کی دو مختلف کتابیں موجود ہیں۔ ایک عبدالوہاب بن جلال الدین محمد ہمدانی کی تصنیف ہے اور دوسری محمد ماہ صداقت کنجاہی کی ۔ دونوں کا نام " ثواقب المناقب " ہے۔

" کلمات طیبات " کے نام سے کم از کم چھ کتابیں مرتب ہوئی ہیں ۔ عالمگیر بادشاہ کے مکتوبات ، سید نجم الدین کے مکتوبات ، غلام محی الدین قصوری کے ملفوظات ، نوشہ گنج بخش کے ایک ہزار ملفوظ، اور اورنگ زیب عالمگیر کی وصیتیں ، ابوالخیر محمد مرادآبادی کا مرتبہ صوفیہ کے مکتوبات کا انتخاب ۔

تاریخ تصنیف ظاہر کرنیوالے نام

اسلامی تہذیب اور فارسی ادب کی ایک خاص الخاص روایت " تاریخ گوئی " رہی ہے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس صنعت میں تنوع پیدا ہوتا چلا گیا اور اب یہ علم بلاغت کی ایک اہم ترین شاخ ہے ۔ کتابوں کا تاریخی نام رکھنے کا رواج عام رہا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں کتابوں کے تاریخی نام رکھے گئے بلکہ اس سلسلے میں یہ پہلو بھی تحقیق طلب ہے کہ ہندو پاکستان میں سب سے پہلے کس تاریخی کتاب کا نام رکھا گیا ۔ یہاں متاخر عہد کی دو ایک کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں :
علاج الامراض - ۱۱۷۰ھ (حکیم محمد شریف خاں) ، زاد غریب - ۱۲۲۴ھ (حکیم صادق علی خان)

مصنوع کتابوں کے مصنوع نام

مصنفین نے یہ التزام بھی رکھا ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب کسی ادبی صنعت میں لکھ رہے ہیں تو اس کا نام بھی اسی صنعت میں رکھیں ۔ مثلاً صداقت کنجاہی نے اپنی غیر منقوط نعتوں کا مجموعہ ، غیر منقوط نام " مطلع الاسرار " سے موسوم کیا ۔ سید محمد زاہد ہندی نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی تاریخ وفات ۵۶۱ھ کی مناسبت سے ایک مصنوع تاریخی رسالہ لکھا تو اس کا نام بھی تاریخی رکھا ۔ یعنی " گزیدۂ معشوق " ۵۶۱ھ ۔ نجف علی خاں جھجری عربی الفاظ سے پاک فارسی (فارسی سرہ) لکھنے کے ماہر تھے ۔ اس صنعت میں ان سے کئی کتابیں یادگار ہیں ۔ ایک کتاب کا نام " ہمایوں بر سرود " ہے ۔ یہ نام بھی خالص فارسی میں ہے ۔

طویل اور ثقیل نام

ہمارے مصنفین بعض اوقات اپنا علم و فضل جتانے کے لئے اپنی کتابوں کے لمبے لمبے اور بھاری بھرکم نام رکھتے رہے ہیں۔ اپنا یہ مقصد وہ عربی الفاظ و تراکیب سے حاصل کرتے۔ علم کلام کی کتابیں خاص طور پر طویل اور مشکل ناموں سے موسوم ہوئی ہیں۔ مثلاً استقصاء الافحام واستیفاء الانتقام فی نقض منتہی الکلام (حامد حسین)، النفع الوسایل فی جواب خمسة المسایل (شیخ احمد)، ایضاح الحق الصریح فی ردّ ربوبیت المسیح (مسکین محمدی)، تدقیقات الراسخات فی شرح تحقیقات الشامخات، اسی کتاب کا دوسرا نام سبیل النجاح الی تحصیل الفلاح ہے۔ (تراب علی لکھنوی)، ثمار التنکیت فی شرح ابیات التثبیت (نواب صدیق حسن خان، ان کی دیگر کتابوں کے نام بھی اسی طرح طویل ہیں۔)، الحد الفاصل بین سد یہ الاعتقاد والزندقة والالحاد (فرخ شاہ مجددی)، الدر المنثور فی ردّ منکری الاستمداد من اہل القبور (عبدالغفور شکارپوری)، معیار صریح در ردّ الوہیت وابن اللہیت مسیح (محمد منظور الحق)۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ مجھے پیش آیا۔ سن لیجئے۔ ۷۲-۱۹۷۱ء میں انجمن خانۂ فرہنگ ایران راولپنڈی میں جز وقتی طور پر وہاں کے کتب خانے میں کام کرتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی نہ فارسی آتی تھی، نہ میں کتابوں کے بارے میں خاص معلومات رکھتا تھا۔ ایک شام ڈاکٹر محمد صدیق خان (موجودہ رجسٹرار علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد) شبلی صاحب نے کتب خانے میں ٹیلیفون کیا اور کہا کہ مجھے ایک کتاب کے بارے میں دریافت کرنا ہے کہ آپ کے کتب خانے میں موجود ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ نام لکھوا دیجئے میں کیٹلاگ میں سے دیکھ کر بتاتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ لکھئے: شدّ الازار فی حط الاوزار عن زوار المزار۔ میں نے کہا۔ جناب یہ نام تو بہت "آزار دینے والا" اور "اوازار" کرنے والا ہے۔ میں کیسے لکھوں؟ واضح ہو کہ مذکورہ کتاب معین الدین ابوالقاسم جنید بن محمود کی عربی تصنیف ہے اور شیراز میں مدفون اولیاء کا تذکرہ ہے۔

فارسی کتابوں کے عربی نام

فارسی کتابوں کا عربی نام رکھنے کا رواج اس قدر عام رہا ہے کہ بلا مبالغہ ہزاروں مثالیں موجود

ہیں ۔ اس میں موضوع کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔ خاص طور پر عربی اور عرفانی کتابوں کے نام فارسی سے کہیں زیادہ عربی میں ہیں ۔ تاہم فارسی کی رزمیہ اور بزمیہ مثنویات کے ناموں میں عربی کا وہ غلبہ نہیں ہے اور یہاں شعراء نے فارسی کے مختصر ناموں کو ترجیح دی ۔ مثلاً حملۂ حیدری (باذل دہلوی) یا نیرنگِ عشق (غنیمت کنجاہی)

فارسی کتابوں کے عربی ناموں کی دو ایک مثالوں پر ہی اکتفا کرتا ہوں :

قران السعدین (خسرو)، دلیل الاحسان (عبداللہ ملتانی)

" ال " کے حرفِ عطف کے بغیر بھی متعدد عربی نام ملتے ہیں ۔ مثلاً تحایف قدسیہ (پیر کمال لاہوری)، دُرِّ مکنون (فقیر دہلوی)

مفرد عربی الفاظ میں بھی کئی نام موجود ہیں ۔ مثلاً جنونیہ (محمد وفا)، وجودیہ (منسوب بہ خواجہ معین الدین چشتیؒ)

اُردو کتابوں کے فارسی نام

فارسی، عربی کے زیرِ اثر رہی ہے لہٰذا فارسی کتابوں کے عربی نام رکھے گئے ۔ اردو، فارسی کے زیرِ اثر رہی ہے ۔ لامحالہ اُردو کتابوں کے لئے فارسی نام چنے گئے کیونکہ ہمارے ہاں علم و فضل کی نشانی فارسی دانی کو سمجھا جاتا رہا ہے ۔ اردو کتابوں کے ناموں پر تحقیق کرنا اس مقالے میں مقصود نہیں ہے لیکن موضوع کو مربوط رکھنے کے لئے معاصر اردو ادب سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں ۔ جس سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ ہنوز ہمارے ہاں فارسی زبان کے اثرات موجود ہیں ۔ کرنل محمد خاں کی اب تک شائع شدہ کتابوں کے نام حرف " ب " سے شروع ہوتے ہیں اور حسن اتفاق سے یہ تینوں فارسی ہیں ۔ یعنی بجنگ آمد، بسلامت روی اور تیسرا اردو مزاح کے ساتھ " بزم آرائیاں " ۔ معاصر اردو ادب سے دو اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں ۔ شب جائیکہ من بودم (شورش کاشمیری)، ہمہ یاراں دوزخ (صدیق سالک)

اِبنِ تیمیہؒ

قادری سِلسلہ کے ایک صوفی بزرگ

ابنِ تیمیہؒ کی شخصیت برصغیر پاک و ہند میں ہمیشہ سے موضوع بحث رہی ہے۔ اس کی وجہ آپ کی وہ تصنیفات ہیں جو یہاں دستیاب ہیں کیونکہ انہیں پڑھ کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ آپ کو تصوّف سے کوئی قلبی وابستگی تھی یا آپ سلسلہ قادریہ کے صاحبِ نسبت صوفی ہوں گے۔

بہرحال جارج مقدیسی کا مقالہ، جو آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔ تحقیقی اعتبار سے قارئین کو نئی جہتیں تلاش کرنے میں بڑی مدد دے گا۔ جارج مقدیسی، مطالعاتِ عربیہ کے مشہور استاد اور پنسلوانیا یونیورسٹی امریکہ سے وابستہ ہیں۔ مطالعاتِ مشرق عربی زبان وادب اور تاریخ وثقافت پر ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی انگریزی کتاب " اسلامی نظامِ تعلیم کا ارتقاء اور کالجوں کی تشکیل " اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کا یہ مقالہ انگریزی مجلّہ:

"AMERICAN, JOURNAL OF ARABIC STUDIES, LEIDE"

کے شمارہ ۱، ۱۹۷۳ء، جلد اوّل میں شائع ہوا اور محترم سہیل عمر مدیر مجلّہ روایت نے خود ہی اس کا ترجمہ کیا اور روایت کے ہی شمارہ اوّل ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ سہ ماہی درد میں اس کی مکرّر اشاعت چند وجوہات کی وجہ سے کی جا رہی ہے۔

اوّل :۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ مقالہ نایاب تھا اور کئی احباب نے اس کے مندرجات کے بارے میں ہم سے استفسار بھی کیا۔

دوم :۔ اس لئے کہ اس کی موافقت اور مخالفت میں کئی تحریریں سامنے آئیں، بعض اہل علم نے تو اسے کھلے ذہن سے ایک تحقیق کے طور پر قبول کیا اور اس کی روشنی میں

مزید کئی چیزیں پیش کیں، جب کہ دوسری جانب اس مقالے میں پیش کئے گئے حوالوں اور شواہد کو دروغ بافی تک قرار دیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک اہم مقالہ جو سامنے آیا، وہ انگریزی مجلہ "اسلامک سٹڈیز" جلد ۲۴ شمارہ اوّل بابت بہار ۱۴۰۵/۱۹۸۵ء میں بعنوان "ابن تیمیہ اور تصوف" تھا۔

سوم :- ہمارے پیش نظر چونکہ تصوف اسلامی سے متعلق تحقیقی مواد کی اشاعت بھی ہے۔ اس لئے اس مقالے کا اشاعت مکرر ضروری خیال کی گئی تاکہ اس سلسلے میں اگر کوئی محقق لکھنا چاہے تو ہمیں اپنی تحریر ارسال کرے، سُہروردکے صفحات حاضر ہیں۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ بات مکمل کر سامنے آجانی چاہیئے کہ ابن تیمیہ کس حد تک تصوف کے حامی اور علمبردار تھے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ اسی نوع کا ایک اور مقالہ "علی ہجویریؒ نمائندۂ تصوف اسلامی" سہروردکی اگلی اشاعت میں شائع کیا جارہا ہے جو مکرمی سید محمد متین ہاشمی مدظلہ نے اس ایرانی محقق کے جواب میں لکھا ہے۔ جس کا عنوان تھا۔ "علی ہجویریؒ نمائندۂ تصوف ایرانی"؟

آخر میں مقالے کی دستیابی کے سلسلے میں ہم محترم سہیل عمر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

(سُہرورد)

* جارج مقدسی
** مترجم سہیل عمر

ابن تیمیہؒ
قادریہ سلسلہ کے ایک صوفی بزرگ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی فقہ کا حنبلی مکتب فکر اسلامی طریقت و سلوک معروف بہ تصوف، کا مخالف تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی عام ہے کہ اس مکتب فکر کے ممتاز فقیہہ ابن تیمیہؒ بھی تصوف کے جانی دشمن تھے۔ بنا بریں اس مقالہ کا عنوان بظاہر دل لگی معلوم ہوگا مگر ہم نے اس کا انتخاب پوری سنجیدگی سے کیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس کی تائید میں وافر شواہد پیش کریں گے تاکہ نہ صرف اس عنوان کا جواز ہو سکے بلکہ اس حنبلی فقیہہ اور فکر اسلامی کی تاریخ کے اہم ترین مفکرین میں سے ایک مفکر کی مسخ شدہ تصویر کی تصحیح ہو جائے۔

ابن تیمیہؒ کی جو شبیہہ اب ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں رنگ بھرنے کا آغاز لگ بھگ ایک صدی قبل ہو گیا تھا۔ مغربی مستشرقین کی تصانیف میں ان سے ہماری ملاقات ایسے شخص کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ جس کا "ایک پیچ ڈھیلا تھا" یہ فقرہ ان کے قرونِ وسطیٰ کے ایک معترض کا تھا۔ (۱) جسے یہ لوگ لے اُڑے اور بلا تامل دہراتے چلے گئے۔ اگناز گولڈ تسیہر پہلا بڑا مصنف تھا۔ جس نے مغرب میں اس بیان کی اشاعت کی۔ ڈی۔بی۔ میکڈانلڈ نے اس کے ہاں سے یہ فقرہ لے کر (۲) اس پر ان الفاظ میں حاشیہ آرائی کی۔ "ابن تیمیہؒ کے ہاں صوفیاء، فلاسفہ، اشعری متکلمین بلکہ فی الواقع اپنے سوا کسی کی بھی ضرورت اور گنجائش نہ تھی۔" (۳) ان دونوں مصنفین تک آتے آتے ہم بڑی حد تک اس راہ پر لگ جاتے ہیں جو ابن تیمیہؒ کے تصور کی نشو و نما تک لے جاتی ہے جو آج پایا جاتا ہے۔ وہ تصور جو ہماری کتابوں، حتیٰ کہ بعض انتہائی عالمانہ اور منصفانہ تصانیف سے بھی مضبوطی سے چمٹا ہوا ہے۔ ہمارے تناظر کے بگاڑنے

اور اسلام کی مذہبی تاریخ کے جائزے کو دھندلانے میں بھی اسی تصور کا ہاتھ ہے۔

یہ تصور کچھ ایسا خیر خواہی کا تھا بھی نہیں۔ ہوتا بھی کیونکر! ایک ایسے شخص کا بھلا کون چاہتا۔ جس نے اپنی وسیع مناظرانہ سرگرمیوں میں اسلامی بدعات کے رد کے علاوہ اتنا وقت نکال لیا کہ یہود و نصاریٰ کی تردید میں تصانیف مرتب کر سکے۔ (۴)

ابن تیمیہؒ کی شخصیت کے اس خاکے میں مو قلم نے جتنے رنگ لگائے ہیں۔ وہ سب مختصر سی مدت میں مکمل ہو گئے تھے۔ گولٹ تسیہر کی "الظاہریون" ۱۸۸۴ء میں چھپی اور ہارٹن تشرائنر کی "اسلامی علم کلام کی تحریکوں کا مطالعہ" (۵) ۹۹-۱۸۹۸ء میں۔ بعد ازاں گولٹ تسیہر کی ایک اور کتاب "تاریخ تحریک حنابلہ" (بزبان جرمن) ۱۹۰۸ء میں سامنے آئی۔ اس وقت تک اس خاکے کے بنیادی نقش و نگار اجاگر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایک مکمل شبیہ سامنے آگئی جس کی نقول اس وقت سے آج تک تفاصیل کی کمی بیشی کے ساتھ تیار کر کے پھیلائی جاتی رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ابن تیمیہؒ اور حنبلی مکتب فکر، جس سے وہ وابستہ تھے۔ دونوں کے مسلم فکر کے مرکزی دھارے سے باہر ہونے کا فیصلہ دے دیا گیا اور اسی بنا پر دونوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اس کلیے سے ایک قابل توجہ استثناء ہنری لاؤس کی تصنیف تھی۔ یہ مستند کتاب ایک طویل عرصے تک غفلت کا شکار اور صدا بصحرا بنی رہی مگر وقت کے ساتھ ساتھ ابن تیمیہؒ کے خلاف ہونے والے مناظرے کو بہت حد تک دھیما کر دیا۔ تاہم وہ قدیم تصور بھی ابھی تک گھسٹتا ہوا ساتھ چلتا معلوم ہوتا ہے۔ انسانی کاوش میں محنت اور وقت کی کفایت شعاری کا جو فطری پہلو ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ وہ دست بدست آنے والی چیز کی حفاظت کرتی ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہؒ کو ایک بہتر تناظر میں دیکھنے اور اسلامی فکر میں ان کا مقام جانچنے کے لئے میں لاؤس کی تصنیف کے مطالعہ کی سفارش کروں گا، جسے چھپے ہوئے ۳۰ برس سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

اس مقالہ میں میرا واحد مقصد یہ ہے کہ تصوف سے ابن تیمیہؒ کی جو مخاصمت بیان کی جاتی ہے۔ اس کی صداقت کی پڑتال کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ اپنے انداز میں وہ بھی غزالیؒ

سے کم صوفی نہیں تھے بلکہ معاملہ یوں ہے کہ انہیں تصوف کی وہ رسمی اسناد بھی حاصل ہیں جو ابھی تک غزالیؒ کے لئے دریافت نہیں ہو سکیں۔

دراساتِ اسلامیہ سے متعلق حالات کے ایک مخصوص ڈھب کے اجتماع کے باعث وہ فضا پیدا ہوئی جو ہمارے آج کے خیالات کی پیداوار کی ذمہ دار ہے۔ آج بھی عربی، اسلامی ماخذ دنیا بھر کے نجی اور عوامی کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں اور ان میں سے بیشتر مخطوطوں کی شکل میں ہیں۔ جب انیسویں صدی کے نصف آخر میں ان میں سے بعض کی طباعت کی اہم کوشش ہوئی بھی تو ان میں حنبلی مکتبِ فکر کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی بلکہ اس سے بدتر یہ تھا کہ منظرِ عام پر آنے والی کلامی اور تاریخی تصانیف کی خاصی تعداد ایسی تھی۔ جس میں حنبلیت کے خلاف تعصب بھرا ہوا تھا۔ ایسی صورت حال میں جب ماخذ بمشکل دستیاب ہوتے تھے ـــ ان دوسرے ماخذ سے اخذ کردہ خیالات کو مورچہ بندی کی خوب مہلت مل گئی اور انہوں نے افکار کی منڈی میں ایک نسل سے دوسری نسل تک بازار پر قبضہ جمائے رکھا۔ چنانچہ جب بتدریج متنوع ماخذ بکثرت دستیاب ہونے لگے اور بعض ایسے حقائق ابھرے جو عام تصورات سے لگا نہیں کھاتے تھے تو ان کی بلاتامل اور بلا دلیل یوں تاویل کر دی گئی کہ وہ بھی اشیا کے باقی عمومی پہلوؤں میں گھل مل جائیں۔

اس وقت جب غزالیؒ کو تصوف کے لئے " درجہ استناد مہیا " کرنے والا بنا کر پیش کیا جا رہا تھا۔ اور بیان یہ تھا کہ غزالیؒ کو یہ کام غلبۂ مخالفین میں انجام دینا پڑا۔ جن میں سے اکثریت کی نسبت حنبلیت کی طرف کی جاتی تھی؛ اس وقت ایک صریحاً صوفی اور یقینی طور پر حنبلی مفکر یعنی خواجہ انصاری ہروی اس منظرنامے میں ابھرے۔ ان کے لئے فوراً گنجائش نکال لی گئی مبادا کہ طے شدہ حالات سابقہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ یہ خواجہ ہروی حنبلی تھے اور حنبلی بھی ایسے کہ انھوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ ان کی آخری خواہش اور وصیت یہ ہوگی کہ تمام مسلمانوں کو حنبلی ہو جانے کے کارِ خیر پر آمادہ کیا جائے۔ خواجہ ہرویؒ، غزالیؒ کے بغداد آنے سے قبل (۷) اپنی ساری زندگی تصوف میں بسر کر کے حنبلی (۸) رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ فی الواقع، غزالیؒ تو اس وقت تک ابھی تصوف کی طرف سنجیدگی سے مائل بھی نہ ہوئے

تھے۔ (۹)۔

اس قبیل کے شواہد میں سے ایک حنبلی صوفی عبدالقادر الجیلیؒ کا پیش منظر میں ظہور تھا۔ ان کے نام سے تصوّف کا سلسلۂ قادریہ منسوب ہے جو آج بھی فعال ہے۔ یہ اسلام کی تاریخ کا پہلا معلومہ سلسلۂ تصوف ہے اور اسکے پیروکار تعداد میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

خواجہ انصاری ہرویؒ مشہور کتاب منازل السائرین کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ ان کا ترجمہ اور مطالعہ حال ہی میں لوئیٹے بور کوئی نے کیا ہے۔ (۱۰) عبدالقادر الجیلیؒ " فتوح الغیب" کے مصنف ہیں۔ اس کا مطالعہ اور ترجمہ پروفیسر والٹر براؤ نے نے کیا ہے۔ (۱۱) عرصہ دراز تک ان دونوں حنبلی فقہا کو صرف صوفی کی حیثیت سے جانا جاتا رہا اور یہ حقیقت کہ یہ دونوں حنبلی تھے، کچھ زیادہ معروف نہ تھی بلکہ دراسات اسلامیہ کے میدان میں یہ امر آج بھی ہر کسی کو معلوم نہیں۔

ان دو امور سے ہی یہ سوچا جا سکتا تھا کہ بعض خیالات میں تبدیلی واقع ہوگی مگر کچھ بھی نہ ہوا اس کے بجائے یہ توجیہہ کی گئی کہ یہ دونوں حنبلی اس لئے تھے کہ دونوں نے علم الکلام سے بھاگ کر جائے پناہ تلاش کی تھی۔ یہ توجیہہ آج بھی مانی جاتی ہے کہ حنبلی مکتب فکر ان کو اس لئے پسند تھا کہ یہ مکتب فکر بھی ان دونوں کی طرح علم الکلام کا مخالف تھا۔ بطور دلیل یہ بھی کہا گیا کہ صوفی ابن عربیؒ فقہ کے ظاہر یہ مکتب فکر سے وابستہ تھے کیونکہ یہ مکتب فکر بھی حنابلہ کی طرح علم الکلام کا مخالف تھا اور حنابلہ سے اس کی ایسی مشابہت ہے۔ جس کے بارے میں غلطی کرنے کا امکان نہیں۔

کسی کو بھی اس دلیل کے بودے پن کا خیال نہ گزرا جبکہ فی الواقع یہ کمزور دلیل تھی؛ اس اعتبار سے کہ ایسے بھی صوفیاء گزرے ہیں، جو اشعری مکتب فکر سے وابستہ تھے جو کلام کا مخالف نہ تھا بلکہ اس کے برعکس اس نے معتزلہ کے بعد اس کی حمایت کی اور اس کی نشوونما میں حصہ لیا مگر کسی نے اس جانب توجہ نہ کی۔ شاید اس لئے کہ حنبلی مکتب فکر کے بارے میں خفیف اور غیر اہم ہونے کی ہوائی بھی کسی نے اڑا رکھی تھی۔ اس سے بظاہر اہم تر میدان ہاے تگ و تاز جو موجود تھے۔

ابن تیمیہؒ اور حنابلہ کے بارے میں پچھلوں سے لئے ہوئے خیالات سے ہٹنے کا مرحلہ ایم لاؤس کی تصنیف کے ساتھ شروع ہوا۔ اس نے ابن تیمیہؒ کی کثیر تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا، جو خوش قسمتی سے ۱۸۹۰ء سے ۱۹۳۰ء تک یکساں رفتار سے چھپتی رہیں۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے خاتمے پر ایم لاؤس نے اپنا مطالعہ مکمل کر لیا۔ (۱۳) ابن تیمیہؒ کی کتابوں کی اس یکساں رفتار اشاعت کی بڑی وجہ سلفیہ اور وہابیہ تحریکیں تھیں جو ابن تیمیہؒ کی تحریروں سے متاثر تھیں ــــ ابن تیمیہؒ کے سماجی اور سیاسی افکار کے مطالعہ کے دوران ایم لاؤس یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ ابن تیمیہؒ کی فکر افکار صوفیاء سے بھرپور تھی۔ دوسری طرف وہ ابن تیمیہؒ کے تصوف سے تعلق کے بارے میں مروجہ خیالات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ وہ تصوف کے دشمن تھے۔ تاہم اس کے لئے ان حقائق سے آنکھیں چار کرنا ضروری تھا جو اس کے سامنے موجود تھے۔ اس موضوع پر مستشرقین کے اتفاق رائے کے باوجود ایم لاؤس پہلا آدمی ہے۔ جس نے یہ نکتہ واضح کیا کہ ابن تیمیہؒ کی تعلیمات بڑی حد تک تصوف سے متاثر ہیں؛ مزید براں یہ کہ ان کی تصانیف میں تصوف کی تردید کا شائبہ تک نہیں اور ان میں تصوف کے خلاف مطاعن کی تلاش بے سود ہوگی۔ ہاں البتہ ابن تیمیہ نے اتحادیہ کے تصوف حلولی پر ضرور پکڑ کی۔ (۱۴)

لاؤس اپنے محاکمہ میں مستحکم اور محتاط تھا۔ اس نے لکھا " ان کی تعلیم و تربیت پر اسلامی تصوف کے ممکنہ اثرات کا تسلیم کرنا اس لئے بھی مشکل معلوم ہوگا کہ ابن تیمیہ کو عموماً تصوف کے سب سے کٹر مخالفوں میں سے سمجھا جاتا ہے اور تصوف کے بارے میں ان کے مکتب فکر کی طرف سے کھلے بندوں شکوک کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ (۱۵)

اس کے کچھ عرصہ بعد اس نہج پر دوسروں کے اظہار خیال کا آغاز ہوتا ہے اور ابن تیمیہؒ کو صرف ابن عربیؒ کے وحدت الوجود پر گرفت کرنے والا سمجھا جانے لگتا ہے۔ (۱۶) ساتھ یہ بھی کہا جانے لگا کہ وہ تصوف کو رد کرنے کے " باوجود اسلام کے دائرہ کار میں روحانی اقدار کے مؤید تھے۔ (۱۷) تاہم اس وقت تک ان کو تصوف کا جانی دشمن ہی سمجھا جا رہا تھا۔ گو بعض لوگ انہیں یقینی طور پر نو صوفی قرار دے رہے تھے۔ (۱۸) حنابلہ کی تصوف دشمنی کا تصور ذہنوں میں ایسا گہرا گڑا ہوا ہے کہ اس سے چھٹکارا مشکل ہے۔ حتیٰ کہ جب ہمیں یہ بھی پتہ چل جاتا

ہے کہ عبدالقادر الجیلیؒ حنبلی تھے تو ہم جھٹ اس ظاہری انحراف کے لئے توجیہہ ڈھونڈ لیتے ہیں؛ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تصوف سے وابستہ ہونے کے بعد وہ حنبلی نہ رہے تھے اور انہوں نے جو سلسلہ تصوف کی بنا ڈالی تو اس میں وہ غزالیؒ سے متاثر تھے (لیجئے غزالیؒ حسب معمول حاضر و ناظر)

چند برس ادھر میں نے دراسات العربیہ والاسلامیہ کی چوتھی کانگرس پرتگال میں ایک مقالہ پڑھا تھا۔ یہ مقالہ ابھی زیر طبع ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ "تصوف اور حنبلی مکتب فکر" اس کا مقصد یہ تھا کہ حنابلہ اور تصوف کی مخاصمت کا کلیہ اب قرین قیاس نہیں رہا۔ اس میں پیش کردہ شواہد ان مآخذ سے لئے گئے تھے جو مجھے یورپ اور مشرقی عالم اسلام کے کتب خانوں میں دستیاب ہوئے تھے — بالخصوص وہ دستاویزات جن میں بعض حنبلی فقہا کے روحانی سلسلہ نسب کا بیان تھا۔ بالفاظ دگر وہ سلاسل بیعت طریقت، جن میں ان حنابلہ کے نام تھے، جنہیں ممتاز حنبلی صوفی عبدالقادر الجیلانیؒ نے خرقۂ خلافت عطا کیا تھا۔ ان کی تاریخ ہائے وفات ۵٦۱ھ سے لے کر ۹۵، ھ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ عبدالقادر الجیلانیؒ (۲۰) نے جن سے قادریہ سلسلہ منسوب ہے ابوعمر بن قدامہ (وفات ٦۰۷/۱۲۱۰) (۲۱) اور ان کے بھائی موفق الدین بن قدامہ (وفات ۱۲۲۳/٦۲۰) (۲۲) دونوں کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اوّل الذکر کے فرزند اور مؤخر الذکر کے بھتیجے ابن عمر قدامہ (وفات ٦۸۲ھ) (۲۳) کو اپنے والد اور چچا دونوں سے براہِ راست خرقہ ملا اور یہ ابن قدامہ ہیں، جنہوں نے ابن تیمیہؒ کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔ یہ شجرۂ روحانی ابن تیمیہؒ کے واسطے سے ابن قیم الجوزیہ (۲۴) (۱۳۵۰/۷۵۱) مصنف مدارج السالکین (۲۵) تک پہنچا ہے۔ یہ کتاب مشہور حنبلی صوفی خواجہ انصاری ہروی کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے۔ (۲٦) ابن قیم الجوزیہ کے بعد اس سلسلہ بیعت کا آخری نام ابن رجب (وفات ۱۳۹۳/۷۹۵) (۲۷) کا ہے جو حنابلہ کے سوانح نگار بھی ہیں۔

اس شجرۂ تصوف کی ساتوں کڑیوں میں جو نام آئے ہیں۔ تمام حنبلی مکتب فکر کے لوگ ہیں ان کا عرصۂ حیات تین صدیوں پر محیط ہے۔ چھٹی / بارہویں صدی سے لیکر ۸/۱۴ ویں صدی تک۔ یہ شجرہ ایک حنبلی عالم یوسف بن عبدالهادی کی تصنیف میں محفوظ ہے۔ جس کا عنوان ہے —

(سلاسل) سے متعلق تھے۔ ان میں شیخ عبدالقادر الجیلیؒ بھی ہیں۔ جن کا طریقہ معروف طریقوں میں عظیم ترین ہے۔"

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ابن تیمیہؒ کو انتقال کے بعد دمشق کے گورستان صوفیاء میں دفن کیا گیا۔ جہاں ان کے خاندان کے دوسرے افراد مدفون تھے اور ان افراد میں صوفیاء بھی ہو گزرے تھے۔ بعض مصنفین نے اس غلط فہمی کے تحت کہ ابن تیمیہؒ تصوف کے کٹر دشمن تھے۔ اس واقعہ میں تقدیر کا ایک مذاق دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر اس میں کوئی ایسا پہلو نہیں کیونکہ صوفی ابن تیمیہؒ کے لئے صوفیاء کے قرب وجوار میں دفن ہونے سے زیادہ فطری چیز اور کیا ہو سکتی تھی؟

مذکورہ بالا شجرۂ بیعت تصوف سارے کا سارا حنابلہ پر مشتمل ہے اور عظیم حنبلی صوفی عبدالقادر الجیلانی تک پہنچا ہے۔ جن کا مدفن آج بھی بغداد میں مرجعِ زائرین ہے۔ شیخ عبدالقادرؒ سے جو واسطے اوپر کی طرف سیدنا جنید بغدادیؒ تک پہنچتے ہیں۔ ان کے ناموں کا علم تو ہمیں کانی

بداء العلقہ بلبس الخرقہ ۔ اس کا مخطوطہ پرنسٹن یونیورسٹی کی فائرسٹون لائبریری میں موجود ہے۔ جہاں دوسرے مخطوطات کے ساتھ اسے بھی ابھی فہرست سازی کے عمل سے گزارا جا رہا ہے۔

چسٹربیٹی لائبریری ڈبلن میں موجود ایک اور مخطوطے سے ابن تیمیہ کے اس شجرۂ تصوف کی ایک اور شہادت فراہم ہوتی ہے۔ مذکورہ تصنیف کا عنوان ہے۔ ترغیب المتحابین فی لبس خرقۃ المتمین ین (۲۸) مصنف ہیں جمال الدین الطیلیائی۔ اس میں ابن تیمیہؒ کے اپنے فقرے کا حوالہ ہے کہ " مجھے سیدنا عبدالقادر (الجیلانیؒ) کا بابرکت خرقہ تصوف نصیب ہوا اور میرے اور ان کے مابین دو (صوفی مرشد) تھے۔"

مزید تائید ناصر الدین کی " اطفاء الحرکات الحوبۃ بالباس خرقۃ التوبۃ " سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب گو مفقود ہو چکی ہے لیکن اس کے بعض حصے یوسف بن عبدالهادی کی " بداء العلقہ..." میں محفوظ ہیں۔ اس میں ابن تیمیہؒ کا ایک بیان درج ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی ایک سے زیادہ سلاسل تصوف میں نسبتوں کا اثبات کیا ہے اور قادریہ سلسلے کی سب پر عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے۔ " میں نے متعدد شیوخ کا خرقہ خلافت حاصل کیا جو مختلف طریقوں

عرصے سے ہے مگر یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ اس شجرہ میں چوتھی/دسویں صدی کے حنابلہ کے نام بھی شامل ہیں؛ یعنی عبدالقادرؒ سے دو صدیاں اور خواجہ انصاری الھروی سے ایک صدی قبل کے نام ــــ اس شجرہ کا تفصیلی مطالعہ ایک مضمون میں کیا گیا ہے جو عنقریب کائیے دلیر نے ــــ پیرس کے شمارۂ خصوصی دربارۂ ماسینون میں شائع ہو رہا ہے۔ (۲۹) لہذا میں اس وقت صرف اس تصنیف اور اس کے محتویات کے مختصر بیان تک محدود رہوں گا۔

یہ دستاویز دمشق کے ایک کتب خانہ ظاہریہ میں متفرقات کی جلد میں محفوظ ہے۔ اس کا صرف ایک صفحہ ہے۔ جس پر شمس الدین الدنیسری کا شجرہ طریقت دیا گیا ہے۔ دنیسری کی وفات ۱۳۵۶/۷۵۷ میں ہوئی۔ یہ شجرہ اصل میں دنیسری نے خود لکھا تھا۔ کتب خانہ ظاہریہ کا نسخہ اس کی نقل ہے جو مصنف کی زندگی ہی میں ۱۳۴۳/۷۴۴ میں، یعنی اس کی وفات سے ۱۳، سال قبل کی گئی تھی۔ مصنف اور نقل نویس، جس کا نام حمزہ .... الحکاری ہے۔ دونوں حنبلی نہ تھے۔

اس شجرہ میں بائیس کڑیاں یا واسطے ہیں۔ اس کی انتہا سیدنا علیؓ خلیفہ رابع (نمبر ۱۸) کے واسطے سے سیدنا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، جبرائیل علیہ السلام کے بعد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر ہوتی ہے ــــ نمبر ۱۳ سے ۱۷ تک کا تعلق صوفیاء کے معروف اشخاص سے ہے۔ سری سقطیؒ، معروف الکرخیؒ، داؤد الطائیؒ، حبیب عجمی اور آخر میں حنابلہ کے ممدوح حسن البصری نمبر ۱۱ اور بارہ بالترتیب شبلیؒ اور جنیدؒ ہیں۔

ہمارے لئے خاص دلچسپی کی چیز اس شجرہ کی وہ کڑیاں ہیں جو نیچے سے اوپر چلیں تو نمبر ۱ تک آتی ہیں۔ ان دس صوفیاء میں سے سات حنبلی ہیں۔ پیڑھیاں حسب ذیل ہیں:

۱. دنیسری
۲. معدنی (حنبلی)
۳. شمس الدین بن قدامہ (حنبلی)
۴. موفق الدین بن قدامہ (حنبلی)
۵. عبدالقادر الجیلیؒ (حنبلی)
۶. مخرمی (حنبلی)
۷. حکاری
۸. طرسوسی۔
۹. عبدالواحد التمیمی (حنبلی)
۱۰. عبدالعزیز التمیمی (حنبلی) ــــ جن کو خرقہ شبلیؒ سے ملا اور شبلیؒ نے خرقہ جنیدؒ سے حاصل کیا۔ (۳۰)

قادریہ سلسلے کے بانی سیدنا عبدالقادر کے ایک صوفی مرشد حماد الدباس (۳۱) کے نام کے بھی تھے۔ ان کا انتقال ۵۲۵/۱۱۳۰ میں ہوا۔ مگر عبدالقادر نے خرقہ ان سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ خرقہ ان کو ان کے حنبلی استاد ابوسعید المخرمی سے عطا ہوا تھا جو ہمارے مذکورہ حنبلی ابن عقیل کے معصر تھے دونوں کا انتقال ۱۱۱۹/ ۵۱۳ میں ہوا اور دونوں سے عبدالقادر الجیلانیؒ نے فقہ حنبلی کی تعلیم پائی۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عبدالقادر کا مدرسہ وہی مدرسہ تھا جو ان سے قبل ان کے استاد المخرمی کا تھا۔ جن سے عبدالقادرؒ کو خرقہ تصوف حاصل ہوا تھا۔ عبدالقادر الجیلانیؒ نے اس مدرسہ کو وسعت دی اور سوانحی ادب میں "مدرسۂ عبدالقادر" اور "رباطِ عبدالقادر" کے جو حوالے ملتے ہیں۔ ان سے خیال ہوتا ہے کہ مدرسہ اور رباط دونوں ایک ہی مجموعۂ تعمیرات کا حصہ تھے۔

المخرمی اور ان سے پہلے کے دو حنبلی صوفیا کے درمیان دو غیر حنبلی صوفیا ہیں۔ دونوں حنبلی تمیمی خاندان سے ہیں اور دونوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔

مذکورہ بالا مختصر شواہد میں ہم ابن تیمیہؒ کی ایک تصنیف کا اضافہ کئے دیتے ہیں۔ ان کی یہ تصنیف عبدالقادر الجیلانیؒ کی معروف صوفیانہ کتاب کی شرح ہے۔ الجیلانیؒ کی کتاب کا جرمن زبان میں ترجمہ اور مطالعہ والٹر براؤنے نے ۱۹۳۲ء میں کیا تھا۔

اپنے سلسلہ تصوف کے بانی کی کتاب کی شرح میں ابن تیمیہؒ نے الجیلانیؒ کے متعدد اہم اور بنیادی عنوانات لے کر ان پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ اپنے حنبلی مرشد عبدالقادر الجیلانیؒ کے تصوف ہی کے لئے نہیں بلکہ عبدالقادرؒ کے صوفی مرشد، غیر حنبلی حماد الدباس کے لئے بھی ان کا میلان تحسین یہاں جیسے کھل کر سامنے آیا ہے۔ اس سے کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ چیز اس امر کی روشنی میں بہت اہم ہے کہ حماد الدباسؒ کے مشہور حنبلی معاصر ابن عقیلؒ نے ان کا رد کیا تھا۔ ان باتوں کی وجہ سے جن کو وہ بدعت سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس ابن تیمیہؒ، حماد الدباسؒ کے سراپا تحسین ہیں اور ان کو مستند مشائخ صوفیاء میں سے سمجھتے ہیں۔ مزید برآں عبدالقادر الحنبلیؒ الصوفی اور حماد الدباسؒ غیر حنبلی صوفی کی تعریف کے مقابلے میں وہ اپنے حنبلی ساتھی اور عظیم صوفی الانصاری الهرویؒ پر تنقید کرتے ہیں اور ان پر دو غلے پن کا شبہ کرتے ہیں۔ (۳۲) مگر الانصاری الهرویؒ کے بارے میں ان کا رویہ خود ان کے شاگرد ابن القیم الجوزیہؒ کے رویہ سے ٹکراتا ہے جو الانصاریؒ کے مداح تھے اور انہوں نے مؤخر الذکر کی کتاب منازل السائرین کی اہم ترین

شروح میں سے ایک شرح بھی لکھی، جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

میں خود کو ابن تیمیہؒ کی اس تصنیف کے مختصر سے جائزے تک محدود رکھوں گا اور اس کے محتویات پر کچھ تبصرہ کروں گا۔ مجھے یہ کتاب پرنسٹن کے غیر مدون مخطوطات کے مجموعہ میں دستیاب ہوئی۔ (۳۴) یہ ابن تیمیہؒ کی بہت سی کتابوں میں سے ایک تھی۔ جن کو متفرقات کے تحت ایک ہی جلد میں باندھا گیا تھا۔ اس شرح کے سرورق پر مصنف کا نام صرف "شیخ الاسلام" درج ہے مگر پہلا صفحہ اس بارے میں زیادہ واضح ہے۔ جہاں ان کا تفصیلی نام ابوالعباس احمد ابن تیمیہؒ دیا گیا ہے۔ پھر متن میں خود مصنف نے ابوالبرکات کو اپنا دادا ظاہر کیا ہے ۔ ۔ ۔ (جدنا ابوالبرکات) جو یقیناً ابوالبرکات مجدالدین بن تیمیہ (متوفی ۱۲۵۵/۶۵۲) کے سوا کوئی نہیں۔ مزید براں اس کتاب کے محتویات کی داخلی شہادت بھی اپنی تعلیمات اور اسلوب بیان کی وجہ سے اسے ابن تیمیہؒ ہی کی تحریر ثابت کرتی ہے۔ ان کی تحریروں سے مانوس کوئی بھی شخص اس تحریر کو فوراً اس سلسلے کی کتاب کے طور پر شناخت کر لے گا۔ جن کے عنوانات ۔ ۔ "مراتب الارادہ" (۳۵)، القضاؤ القدر (۳۶) اور الاحتجاج بالقدر" (۳۷) ہیں۔ بنابریں اس کتاب کے مصنف کے بارے میں شک کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا۔

مذکورہ بالا تصانیف میں ابن تیمیہؒ نے الانصاری الھرویؒ اور الحلاجؒ پر جرح کی ہے اور عبدالقادرؒ اور حماد الدباسؒ کی مدح کی ہے۔ یہی مدح و قدح اس شرح میں بھی موجود ہے۔ جس پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں۔ ابن تیمیہ نے اس میں عبدالقادر الجیلیؒ اور حماد الدباسؒ کے علاوہ بھی متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے صوفیا کی سچے باشرح صوفی شیوخ کہہ کر تحسین و تعریف کی ہے اور ان کو المشائخ، اہل الاستقامہ، المستقیمون من السالکین اور اہل الاستقامہ من اہل العبادۃ کے القابات سے یاد کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ کے ممدوحین میں فضیل ابن عیاضؒ، ابراہیم بن ادھمؒ، ابوسلیمان الدارانیؒ، معروف کرخیؒ، سری سقطیؒ اور الجنیدؒ شامل ہیں۔ ان کو وہ متقدمین صوفیائے کاملین کی صف میں شمار کرتے ہیں (جمہور مشائخ السلف) متاخرین صوفیا میں وہ عبدالقادر جیلانیؒ، حماد الدباسؒ اور ابوالبیانؒ (متوفی ۱۱۵۶/۵۵۱) کا ذکر کرتے ہیں۔ ان نو ناموں میں سے چار نام خود ابن تیمیہؒ کے مذکورہ شجرۂ طریقت میں پائے جاتے ہیں

معروف الکرخی، سری سقطی، جنید اور عبدالقادر رحمہم اللہ۔

تیس برس سے زیادہ ہونے کو آئے ہیں کہ ایم لاؤس نے ابن تیمیہؒ کے افکار پر تصوف کے اثرات کی نشاندہی کی تھی۔ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کتابوں میں اور اس زیر مطالعہ شرح میں بھی ان کے ذخیرۂ الفاظ میں صوفیانہ اصطلاحات الہام، ذوق، وجد، محبت، کشف، حقیقت، خشیت، کمال النفس اور اسی طرح کی دوسری مصطلحات شامل ہیں۔

وہ ضعیف روایات، اکثر ورنظائر اور خلاف اور اصول فقہ میں مشغول فقہا کے بیان کردہ استصحاب کے مقابلے میں الہام کو قوی تر دلیل قرار دیتے ہیں۔ یہ اس ابن تیمیہؒ کی ایک شرح سے اقتباس ہے۔ جسے عموماً ایک فقیہہ سمجھا جاتا ہے جو تصوف کا دشمن تھا۔ اس کے برعکس وہ ہمیں غزالیؒ اور حنبلی فقیہہ موفق الدین ابن قدامہؒ کے خلاف الہام کی مدافعت کرتے ہوئے ملتے ہیں اور ان پر دونوں پر نرے فقیہوں جیسے طرز عمل کا گمان کرتے ہیں کیونکہ وہ دونوں کہا کرتے تھے کہ (مالا یعبتر عنہ فہو ہوس) ۔ (۳۸)

ابن تیمیہ کا تصوف مسلک اعتدال کا پیرو اور اباحیت کا مخالف تھا۔ ان کی ساری شرح کا زور اس بات پر ہے کہ تصوف جب مستند اور صحیح ہو تو کتاب اللہ اور اجماع امت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ تصوف جو شریعت پر مبنی نہ ہو، بدعت ہے۔ ان کا باشرح تصوف ہی انہیں اس طرف لایا ہے کہ وہ الہام کو قانوناً مؤثر دلیل کی شرح پر رکھتے ہیں۔ جس ایک عمل پر دوسرے کی ترجیح کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مآخذ ناکام ہو جائیں۔ ایک فقہی مآخذ کے طور پر الہام کو نہ تو مطلقاً رد کیا جا سکتا ہے، نہ ہی علی الاطلاق قبول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اسے فقہی مآخذ کے طور پر اس وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب دوسرے مآخذ مدد نہ دے سکیں مگر وہ لوگ جو اہلِ حقائق ہونے کا دعویٰ کریں اور شرعی اوامر و نواہی کے پابند نہ ہوں۔ وہ گمراہ ہیں۔ سچی معرفت (۳۹) وحی الٰہی کے ذریعے آنے والے علم کے مطابق ہوتی ہے اور صحیح ارادہ، یعنی صوفیا کی تلاش حق، حب الٰہی اور رضائے الٰہی یا بالفاظ دگر منزل من اللہ احکامات کے ماتحت ہوتا ہے۔ توکل علی اللہ صرف اس وقت درست ہے۔ جب خدا کا حکم مانا جائے۔ دوسری طرف اس

کے احکام ماننا اور اس پر بھروسہ نہ کرنا اپنے فرائض کی ادائیگی سے فرار ہے۔ خالص توحید کا مطلب عبادت کا خالصتًا اللہ کے لئے ہونا ہے اور عبادت کا تقاضا کمال محبت، کمال عظمت اور کمال خوف و رجاء ہے۔ (کمال الحب، کمال التعظیم، کمال الرجاء و الخشیۃ والاجلال والاکرام)

ابن تیمیہؒ کے حملوں کا ہدف فلاسفہ اور ان سے متاثر صوفیا ہیں۔ فیلسوف صوفیاء کے خیال میں کمال نفس صرف علم کے لئے حاصل ہوتا ہے اور علم سے ان کی مراد وہ علم ہے۔ جس کے وہ مالک ہیں۔ یعنی علم ماوراء الطبیعات مگر ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ کمال نفس صرف علم پر مشتمل نہیں بلکہ اس کے بالعکس معرفت الٰہیہ کے ساتھ حُبِّ الٰہی، عبودیت، استغفار و انابت بھی لازمًا ہونا چاہیئے۔ (۴۰) فلاسفہ اور متبعین اس علم سے غافل ہیں جو انبیاء کے ذریعے بھیجا گیا۔ یہ علم کی اعلیٰ ترین شکل ہے اور نفس اوامر الٰہی کو جاننے سے کمال علم کو پہنچتا ہے۔ پھر فیلسوف صوفیاء یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ایک بار اس مطلوبہ علم کو حاصل کر لینے سے وہ احکام تکلیفیہ سے سبکدوش ہوجاتے ہیں اور ممنوعات شرعیہ ان کے لئے جائز ہوجاتی ہیں مگر اس خیال کے ماننے والے جہالت و گمراہی میں غرق ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس ابن تیمیہؒ کی اس شرح میں سے مشتے نمونہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مستقبل قریب میں یہ شرح چھپ جائے گی۔

یہ شرح اور ما قبلہ مذکور سلسلۂ بیعت اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حنبلی مکتب فکر اور ابن تیمیہؒ دونوں تصوف کے دشمن نہیں تھے بلکہ ان کو ایسا بتانے یا بنانے میں ان مطالعات اور تحریروں کا دخل ہے جو ان کے مخالفین کی تحریروں پر مبنی تھے۔

وقت آگیا ہے کہ ہم تصوف کو شجر اسلام پر لگائی ہوئی قلم یا دساور سے درآمد کی ہوئی ایسی چیز سمجھنا چھوڑ دیں۔ جس پر پابند شریعت مستند لوگوں کی صفوں میں سے، مثلاً حنابلہ کی طرف سے اعتراضات ہوئے تھے اور اسے اسلام کی روحانیت کے بھرپور سرمائے کے باطن سے ابھرنے والی بے ساختہ نمو شمار کریں۔ جس میں بعد ازاں فلسفہ (نوفلاطونیت) کی طرف سے بعض اجزائے زائدہ شامل ہوگئے اور ان کے لانے والے محرفین اور اہل بدعت پر باشرح صوفیاء کی طرف سے لگاتار حملے ہوتے رہے کیونکہ یہ موخر الذکر لوگ اپنے تصوف کی بنیاد

کتاب اللہ اور شریعت الٰہیہ پر رکھتے تھے اور اس صوفیانہ اباحیت کے مخالف تھے جو بعد کی صدیوں میں پیدا ہوا۔

حواشی

جرمن اور انگریزی حوالے پورے دیئے گئے ہیں۔ برابر کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے۔
اُردو میں صرف بقدر ضرورت حصّہ کا ترجمہ ہے۔

۱۔ آئی۔ گولڈ تسیہر، ظاہریوں: ان کا عقیدہ اور ان کی تاریخ: اسلامی علم کلام کی تاریخ میں ایک اضافہ ـــــ بزبان جرمن (لائپسٹک: او شولتسے، ۱۸۸۴) بزبان انگریزی لائیڈن: ای۔ جے برل: ۱۹۷۱) صفحہ ۱۷۳ "............. مگر تھا کچھ خبطی سا......"
اپرچ۔ اے۔ آر۔ گب، سفرنامہ ابن بطوطہ، جلد اوّل، انگریزی ترجمہ (کیمبرج، ہیکوٹ سوسائٹی، ۱۹۵۸م)، صفحہ ۱۳۵ "...... لوگ اس کی بڑی توقیر کرتے تھے اور وہ مختلف علوم پر عبور رکھتا تھا مگر اس کے دماغ میں کچھ خلل تھا"۔ ـــ عربی عبارت یوں ہے۔ "...... الا ان فی عقلہ شیئاً"۔ ـــ عربی عبارت کے لئے دیکھئے: ابن بطوطہ رحلۃ (بیروت: دار صادر، ۱۹۶۴) ص ۔ ۹۵، ۱۔۶۔

۲۔ ڈی۔ بی۔ میکڈانلڈ، اسلامی علم کلام، فقہ اور دستوری نظریات کا ارتقاء (نیویارک ۱۹۰۳م) صفحہ ۲۷۳ "............ وہ ایک ایسا ذی استعداد اور صاحب علم شخص تھا۔ جس کا ایک پیچ ڈھیلا تھا"۔

۳۔ محولہ بالا، مرقومۃ الذیل۔

۴۔ مثلاً: تخجیل اھل الانجیل، یا تخجیل من حرّف الانجیل، الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح مسئلۃ الکنائس وغیرہ تفصیل کے لئے ر۔ک۔ بروکلمان۔ تاریخ ادب عربی۔

۵۔ ایم شرائنر: اسلامی علم کلام کی تحریکوں کا مطالعہ: مجلۃ۔ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد ۵۲ ۱۸۹۸ء اور جلد ۵۳، ۱۸۹۹ء۔

۶. ایضاً، جلد ۶۲ (۱۹۰۸ء) ص ۱۰ ــ ۲۸۔
۷. غزالیؒ فقہ شافعی کے استاد کے طور پر بغداد میں ۴۸۴ھ میں وارد ہوئے۔
۸. ۴۸۱ھ میں۔
۹. کہا جاتا ہے کہ یہ چیز ان کے بغداد چھوڑنے (۴۸۸ھ) کے بعد پیش آئی۔
۱۰. ایس۔ د۔ لوڑیئے بورکوئی۔ انصاریات ڈ۔ محمود الفرکاوی۔ شرح کتاب المنازل فرانسیسی ادارہ برائے مشرقی آثار قدیمہ۔ قاہرہ۔ (۱۹۵۳ء) نیز دہی مصنف، خواجہ عبداللہ انصاری۔ منبلی صوفی (بیروت۔ مطبعہ کاتولیکیہ ۱۹۵۶ء) اور مجموعہ مجلۃ المعہد الدراسات الشرقیہ للآباء الدومینیکین بالقاھرہ (دارالمعارف: ۱۹۵۴ء بیجھ)" میں چھپنے والے بہت سے مطالعات۔
۱۱. والٹر براؤنے؛ فتوح الغیب: لعبد القادر ۔ برلن ۱۹۳۳ء
۱۲. آئی۔ گولٹ۔ تسیھر، حول التاریخ الحرکات الحنبلیہ؛ در مجلہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ۶۲ (۱۹۰۸ء) ص ۱۰-۱۱۔
ایضاً......، العقیدہ، ص ۱۴۴-۱۴۵ (بزبان جرمن)
۱۳. ہنری لاؤس، تقی الدین ابن تیمیہ کے سماجی اور سیاسی افکار کا مطالعہ (قاہرہ، معہد الفرانسوی برائے مشرقی آثار قدیمہ، ۱۹۳۹ء)
۱۴. ہنری لاؤس، محولہ بالا نیز اسی مصنف کا مقالہ " ابن تیمیہ " در انسائیکلوپیڈیا اسلام، دوسری طباعت، ص ۔ ۹۵۳ب۔ (ہنری لاؤس نے اپنے محولہ مقالات میں ابن عربیؒ کو اتحادیہ یا حلول کے قائل صوفیاء میں سے قرار دیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے بیان وحدت الوجود کو PANTHEISM کہا ہے اور ابن تیمیہ کو صرف اس طولی فلسفہ کا مخالف بتایا ہے یہ سریحاً غلط ہے۔ وحدت الوجود اور مذکورہ فلسفہ میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ پرانے مستشرقین کے ہاں ان دونوں کو ایک ہی چیز سمجھنے کا مغالطہ عام ملتا ہے جبکہ جدید مسلمان مستشرقین نے اس غلط فہمی کا بخوبی ازالہ کر دیا ہے۔ وحدت الوجود ہر زمانے اور ہر دین کی اساس میں موجود اور اس کی طریقت کا حصہ رہا ہے جبکہ مذکورہ بالا فلسفیانہ سفسطہ مغرب

جدید کی تہذیب کی ایک کج فہمی کا شاخسانہ ہے۔ رہی ابن تیمیہؒ کی ابن عربیؒ سے مخاصمت، تو اس کی اوّلین اور بنیادی وجہ تو یہی ہے کہ ان کے سامنے ابن عربیؒ کی تحریروں کے تحریف شدہ متن پیش کئے گئے تھے یا ایسی تحریریں جن میں اشتباہ اور ابہام تھا اور اس کی وضاحت کرنے والی دیگر تحریروں پر ابن تیمیہؒ کی نظر نہ تھی، یا پھر وہ اپنی طبیعت کے تشدّد کی وجہ سے تاویل نہ کرسکے۔ سب سے اہم یہ ہے کہ ابن قیّم الجوزیہؒ نے اپنے استاد کے بارے میں ان آراء سے تائب ہوجانے کی بھی شہادت دی ہے ـــ تفصیل کے لئے اسی مجلّہ کا مضمون عسکری بنام فاروقی ـــ دیکھئے ـــ تصوف اور مستند صوفیاء کے بارے میں ابن تیمیہؒ کی رائے دیکھنے کے لئے فتاویٰ ابن تیمیہؒ (۳۶ جلد) کی جلد ۱۱ اور ۱۲ سے رجوع کرنا چاہیئے جو تمام تر سلوک وطریقت اور تصوّف کے بارے میں ہیں۔ اسی جلد میں ابن عربیؒ کے بارے میں ان کی رائے بھی درج ہے کہ ہم بچپن میں ان کی تصانیف حفظ کیا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ ان کے تخیل کی پرواز کس قدر رفیع ہے مگر کبھی کبھی غلطی بھی کرتے ہیں وغیرہ ـــ مترجم

۱۵۔ ہنری لاؤس: محوّلہ بالا، ص ۸۹۔

۱۶۔ جی۔سی۔ قنواتی اور لوئی گاردے، تصوّف اسلام: (پیرس، ثے برین، ۱۹۶۲ء) ص ۸۲ اور ۱۶۲۔

۱۷۔ فضل الرحمٰن: دیکھئے انگریزی حوالہ

۱۸۔ ایضاً، اسلام۔

۱۹۔ منٹگمری واٹ، دیکھئے انگریزی حوالہ۔

۲۰۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا اسلام، انگریزی، مقالہ: عبدالقادر الجیلی، از والٹر براؤنے اور اس کی کتابیات' نیز ہنری لاؤس۔ حنابلہ خلافت بغداد کے دور میں: مجلّہ دراسات اسلامیہ پیرس، ۱۹۵۹ء، ص ۱۱۰ ـ ۱۱۲۔

۲۱۔ دیکھئے ان پر ابن رجب کا سوانحی نوٹ، در ذیل علٰے طبقات الحنابلہ، ۲ جلد، تحقیق حامد الفقی (قاہرہ: السنۃ المحمدیہ پریس، ۱۳۷۲/ ۵۳ ۔ ۱۹۵۲ء) جلد دوم، ص ۵۲ ۔ ۶۱۔

۲۲۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا اسلام، انگریزی، مقالہ، " ابن قدامہ المقدسی " (از ج۔ مقدسی)

اور کتابیات۔

۲۳۔ دیکھئے؛ تاریخ ادب عربی: بروکلمان؛ جلد اوّل ص ۳۹۹۔ تکملہ اوّل، ص ۶۹۱۔
نیز ابن رجب محولہ بالا جلد دوم ص ۳۰۴۔ ۳۱۰۔

۲۴۔ دیکھئے؛ بروکلمان؛ محولہ بالا؛ جلد دوم، ص ۱۰۵ وبعد تکملہ دوم، ص ۱۲۶ ببعد؛ ہنری لاؤس، حنابلہ، بحری مملوکوں کے دور میں، در مجلّہ دراسات اسلامیہ؛ پیرس (۱۹۶۰ء) ص ۶۶۔ ۶۸۔

۲۵۔ دیکھئے؛ بروکلمان؛ تکملہ اوّل، ص ۷۷۴، نوٹ ۶۔

۲۶۔ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا اسلام؛ بذیل مادہ؛ از لوزنیے بورکوئی۔

۲۷۔ 〃 〃 〃 : از ج۔ مقدلیسی۔

۲۸۔ چسٹر بیٹی عربی مخطوطہ نمبر (۸) ۳۲۹۶، ورق ۴۹۔ الف تا ۷۰ ب،

۲۹۔ دیکھئے ج۔ مقدلیسی، "موفق الدین ابن قدامہ کی اسنادِ بیعت"، در ماسینون (اکادیمے دلیرنے ۱۹۷۰ء) ص ۸۸۔ ۹۶۔

۳۰۔ اس سلسلۂ بیعت کی ہر کڑی یا واسطے کی شناخت کے لئے دیکھئے؛ ج، مقدلیسی، محولا بالا ص ۹۰۔ ۹۲۔

۳۱۔ ابن عقیل کے ہدفِ تشنیع، اس صوفی کے لئے دیکھئے ج۔ مقدلیسی، ابن عقیل اور گیارہویں صدی میں روایتی اسلام (معهد الفرانسی فی الدمشق، ۱۹۶۳ء) ص۔ ۳۷۶۔ نوٹ ۱، اور ص، ۳۸۲، نوٹ ۱ (نیز سوانحی نوٹ)

۳۲۔ دیکھئے ج۔ مقدلیسی، محوّلہ بالا، اشاریہ، بذیل مادہ "المخرّمی" (خصوصاً ص۔ ۲۵۶ اور نوٹ ۲)

۳۳۔ دیکھئے ابن تیمیہ، مجموعہ رسائل کبریٰ۔ جلد دوم ص۔ ۱۱۶ – ۱۱۷۔

۳۴۔ اسی تصنیف کا ایک اور مخطوطہ لائپتسک لائبریری میں محفوظ ہے۔ عربی مخطوطہ نمبر ۲۲۳۔

۳۵۔ دیکھئے ابن تیمیہ، مجموعہ رسائل کبریٰ؛ ۲ جلد (قاہرہ، مطبعہ الشرفیۃ، ۱۹۰۵/۱۳۲۳) جلد دوم، ص۔ ۶۲۔ ۷۹۔

۳۶۔ محولہ بالا، ص ۸۰۔ ۸۶۔

۳۷۔ محولہ بالا، ص ۸۷ - ۱۴۵۔

۳۸۔ مخطوطۂ پرنسٹن کے ورق ۱۲۲ب (سطور ۱۷-۱۸): و انکارُ ابی حامد الغزالی و ابی محمد المقدسی [ابن قدامہ] .... طریقۃ الفقہاء۔ غور کیجئے کہ یہاں ابن تیمیہؒ اپنے حنبلی ساتھی ابن قدامہ اور غزالیؒ دونوں پر نرے فقیہ ہونے کا اعتراض کر رہے ہیں۔ یہی اعتراض غزالیؒ نے بھی فقہاء پر کیا تھا۔

۳۹۔

۴۰۔ اس عبارت میں غلط مبحث ہے جو یا تو مقالہ نگار کی ناسمجھی سے پیدا ہوا ہے یا ابن تیمیہؒ نے حسب عادت تشدد کیا ہے۔ ہم اس بیان کو صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں کہ اگر علم یا معرفت کو صرف معلومات کے مترادف سمجھا جائے اور انہیں ان کے لفظی یا منطقی معانی تک محدود کیا جائے اور ان کے اصطلاحی مدلولات سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اوّلاً دو باتیں دیکھئے۔

عرفان یا معرفت الٰہی انسانی دائرۂ اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ انسان اپنی سعی و کاوش سے عرفان حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خالصتاً عطائے الٰہی اور فضلِ ربانی ہے۔ اس صورت میں یہ تصور کہاں تک بجا ہے کہ وہ شخص جو صاحب معرفت ہے۔ اس میں نفس کے دوسرے پہلو یا دوسری جہات یعنی مخافہ محبۃ وغیرہ ناقص ہوں گی۔ کیا حق تعالےٰ نے اس شخص کو اپنی معرفت دینے سے پہلے اس کی استعداد نہیں دیکھی؟ دوسرے یہ کہ خود عارف باللہ کے الفاظ اس پر دلیل ہیں۔

وہ شخص جو اللہ کے واسطے سے حقائق اشیاء کی شناخت کرے۔ کیا وہ اتنا ہی کورا ہو گا کہ حبّ الٰہی، خوف خدا (رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ بھی یاد رکھئے) اور عبودیت سے غفلت کرے؟ عارف باللہ کی اصطلاح میں یہ تمام باتیں شامل ہیں۔ لہٰذا مذکورہ اعتراض بے جا اور ناسمجھی کی پیداوار ہے۔ یہ اعتراض کچھ پچھلوں ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ ہمارے زمانے کے مشہور انگریز نو مسلم عبدالقادر الصوفی نے بھی اپنے دو بزرگ وحدت الوجودی شیوخ پر ایسے ہی بے سرو پا اعتراض کئے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ اعتراض کرنے کے لئے

پوری کتاب چھپوائی، اس پر دیباچہ لکھا اور اس دیباچہ اعتراضات میں دل کی بھڑاس نکالی۔ اعتراضات کا لب لباب یہ ہے کہ شیخ عبدالواحد یحییٰؒ اور شیخ عیسیٰ نورالدین احمد العلوی دونوں کے خیال میں روحانی تجربہ "ایک طرح کے ذہنی خلاء" میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جس کے لئے طرز عمل اور طرز حیات میں کسی وجودی انقلاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ زبان و بیان کے اسلوب کے فرق کے علاوہ یہ اعتراض اور ابن تیمیہؒ کے اعتراضات ایک ہی ہیں۔ دونوں کا جواب بھی ایک ہی ہے کہ مذکورہ شیوخ اور ابن تیمیہؒ کے ہدف شیخ اکبر ابن عربیؒ سب کے نزدیک انسانی وجود کی تمام سطحوں پر تبدیلی آنا لابدی ہے صرف عمل اور طرز حیات ہی کی تبدیلی کافی نہیں۔ ان حضرات کی نظر اس سے آگے تک پہنچی ہے۔ ان کی تعلیمات میں اصرار ہے کہ عقل، فکر، فکری عمل، تخیل، جذبات، طبعی داعیئے، حتیٰ کہ تحت الشعوری انعکاسات یا ردّ عمل کی بھی قلب ماہیت ہونی چاہیئے۔ یہ چیز صرف خارجی تبدیلیوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ داڑھی بڑھا لینے یا عربی چوغہ زیب تن کرنے سے تزکیہ نفس نہیں ہوجاتا۔ اس کے لئے شیخ کی مسلسل نگرانی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر ایک اخبار نویس صحافی اپنے طرز حیات میں تبدیلی لاتا ہے مگر اس کے اندر دوسروں پر کیچڑ اچھالنے، تحریف کرنے کا میلان اور کا رویہ باقی ہے جو اس پیشے سے منسلک لوگوں کو کم و بیش فطرت ثانیہ بن جاتا ہے تو اس کی ظواہر کی تبدیلی مددگار تو یقیناً ہوگی (فی الحقیقت یہ تبدیلیاں بھی ناگزیر ہیں۔ گو ان کو بروئے کار لانے کے طریقے متنوع ہیں) مگر مطلوبہ باطنی یا داخلی تطہیر، تزکیہ، صفائی یا تبدیلی کے لئے ایک سچے مرشد کی طویل عرصہ تک نگرانی اور دوررس توجہ کی ضرورت ہوگی۔

ان وضاحتی کلمات کے بعد ہم شیخ عیسیٰ نورالدین احمد کی تحریر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو اس مسئلے پر قولِ فیصل ہوگا۔

"Knowledge only saves us on the condition that it enlists all that we are only when it is a way, and when it works and transforms and wounds our nature even as the plough wounds the soil....... Metaphysical knowledge is sacred. It is the right of sacred thing., to require of man all that he is".

(Spiritual Perspectives and Human Facts, Faber, England, 1954.p, 138)

NOTES

1 I Goldziher, Die Zahiriten: Ihr Lehrsystem und ihre Geschichte. Beitrag zur Geschichte der muhammedanischen Theologie. (Leipzig: O Schulze 1884), p. 189, lines 7 - 8: "er war ein bedeutenden Mann. Konnte er über die verschiedensten Wissengebiete sprechen nur hatte er einen Sparren im Kopfe," recently translated into English by Wolfgang Behn, The Zâhirîs: Their Doctrine and Their History. A Contribution to the History of Islamic Theology (Leiden: E. J. Brill, 1971), p. 173:"...but he had a bee in his bonnet." H. A. R. Gibb. The travels of Ibn Battuta, vol. I (cambridge: Hakluyt Society, 1958), p. 135: "a man greatly esteemed and able to discourse on various sciences, but with some kink in his brain;"cf. next note. The Arabic has".....illä anna fi'aqlihî shai'an, "see Ibn Battûta, Rihla (Beirut: Dar Sadir, 1964), p95, 1.6.

2 D. B. MacDonald, Development of Muslim Theology Jurisprudence, and Constitutional Theory (New York, 1903), p. 273: "a man most able and learned in many sciences, but with a screw loose."

3 Op. cit., loc. cit.

4 Eg. Takhjîl ahl al-Injîl, or Takhjîl man harrafa 'I-Injîl, jawâb as-sahîh li-man baddala dîn al-Masîh; Mas'alat al -kanâ'is; etc. For a list of such works and bibliographical details, see C. Brockelmann, Geschichte der ara-bischen Litteratur (GAL), Supplement II (Leiden: E. J. Brill, 1938) p. 123, under "Polemik gegen die Dîmmiya.".

5 M. Schreiner, "Beiträge zur Geschichte der theologischen Bewegungen im Islam," in Zeitschrift der Deutschen Morgenlandischen Gesellschaft (ZDMG), vols. 52 (1898) and 53 (1899).

6 Ibid., vol. 62 (1908), pp. I - 28.

7 Ghazzali came to Baghdad as professor of Shâfi' i law in 484 H.

8 In the Year 481 H.

9 This is said to have taken place after he left Baghdad in 488 H.

10 S. de Laugier de Beaurecueil, O. P., Ansârîyât I: Mahmûd al-Firkawi, Commentaire du Live des Etapes (Cairo: Institut Francais d'Archeologie orientale, 1953); idem, Khwadja Abdullah Ansârî: Mystique hanbalite (Beyrouth Imprimerie Catholique, 1965); and several of the studies published in Melanges (del' Institut Dominicain d' Études Orientales) (Cairo: Dâr al-Ma'ârit, 1954 ff).

11 Walther Braune Die Futûh al-Gaib des 'Abd al-Qâdir (Berlin-Leipzig: Walther de Gruyter, 1933).

12 I. Goldziher, "zur Geschichte der hanbalitischen Bewegungen," in ZDMG, vol. 62 (1908), pp. 10 - 11; idem, Le Dogme, pp. 144 - 145.

13 Henri Laoust, Essai sur les doctrines sociales et politiques de Takî-d-Dîn Ahmad b. Taimîya (Cairo;Institut Francais d'Archéologie Oriental, 1939).

14 H. Laoust, Essai, pp. 91 f.; idem, article "Ibn Taymiyya," Encyclopedia of Islam (EI) (2nd ed.), p. 953b.

15 H. Laoust, Essai, p.89.

16 G. C. Anawati and Louis Gardet, Mystique musulmane (Paris: j. Vrin, 1961), pp. 82, 162.

17 F. Rahman, Prophecy in Islam, Philosophy and Othodoxy (London: G. Allen and Unwin, 1958), p.92.

18 F. Rahman, Islam (New York: Holt, Reinhart and Winston, 1966), p. 195; Ion Taimîya's disciple Ibn Qaiyim al-Jauziya is cast in th same role.

19 W. M. Watt, Islam and the Integration of Society (London: Routledge and Kegan Paul, 1961), p.246.

20 See EI, article "'Abd al Kâdir al Djilî," by W. Braune, and the biblio-graphy cited there; also H. Laoust, Le Hanbalisme sous le califat de Baghdad," in Revue des Études Islamiques (REI) (1959), pp. 110-12.

21 See the biographical notice on him in Ibn Rajab, Dhail alâ Tabâqt al hanâbila, 2 vols, ed, M. Hâmid al Fiqî (Cairo: as Sunna al Muhammadiya Press, 1372/1952-53), vol. II. pp. 52. 61.

22 See EI, article"Ibn Kudâma al - Makdisî" (by G. Makdisi) and the bibüo graphy cited there.

23 See GAL, vol. I, p. 399, Suppl. I, p, 691, also Ibn Rajab, op. cit, vol. II, pp.304- 10.

24 See GAL, vol. II, pp. 105f, Suppl. II, pp, 126ff; H.Laoust, "Le Han balisme sous les Mamlouks Bahrides, "in REI, (1960), 66-68.

25 See GAL, Suppl. I, p. 774 (no. 6).

26 See EI, s.v., by S.De Laugier de Beaurecueil.

27 See EI, s.v., by G. Makdisi.

28 Chester Beatty Arabic Ms. 3296 (8), folios 49a - 70b.

29 See now G. Makdisi, "L'Isnad initiatique soufi de Muwaffaq ad-Din ibn Qudama," in Massignon (Cahier de l'Herne, 1970), pp. 88 - 96.

30 For the identification of each link in this chain, see G. Makdisi, op. cit., pp. 90 -92.

31 On this Sûfi, who was severely criticized by Ibn 'Aqû, see G. Makdisi, Ibn Aqîl et la resurgence de l'Islam traditionaliste au XIe siecle (Damas, Institut Francais de

Damas, 1963), p. 376, n. I and p. 383,n. I (including biographical notices).

32 See G. Makdisi, op. cit., index, s.v. "al-Muharrimi" (esp. p.256 and n.3).

33 See also Ibn Taimîya, Ihtijâj, in MRK, vol.II, pp. 116, 117.

34 Another manuscript of the same work is preserved in the Leipzig University Library, Arabic Ms. 223.

35 See Ibn Taimîya, Majmû at ar-rasâ'il al-kubrâ (MRK), 2 vols. (Cairo: ash-Sharafiya Press, 1323/1905), vol II. pp. 64-79.

36 Op. cit., pp. 80-86.

37 Op. cit., pp. 87-145.

38 Fol. 122b (lines 17-18) of the Princeton Ms: wa-inkâru Abi-Hâmid al-Ghazzâlî wa-Abî Muhammad al-Maqdisi [Ibn Qudâma]...... tarîqatu 'l-fuqahâ.' Note that it is Ibn Taimiya here who is criticizing his fellow Hanbali Ibn Qudâma as well as Ghazzâlî as being too legalistic-a criticism Ghazzâlî has also leveled against the jurists.

کتابخانۂ سہروردیہ

تعارف

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام "کتابخانۂ سہروردیہ" کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ جس کی امتیازی حیثت یہ ہو گی کہ

ا- اس میں تصوفِ اسلامی اور طریقت سہروردیہ سے متعلق کُتب، رسائل اور مخطوطات کو خصوصاً جگہ دی جائے گی۔ تا کہ اِن ہر دو موضوعات پر تحقیق کرنے والے محققین کو ایک جگہ مواد مہیا کیا جا سکے۔

ب- **بصری شعبہ** اس شعبہ میں مندرجہ بالا موضوعات پر آڈیو، وڈیو کیسٹ کی تیاری شامل ہے۔ تیار شدہ کیسٹ کتابخانہ میں سنے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ انہیں گھر بھی منگوا سکتے ہیں۔(تفصیلات کے لیے خط لکھیے)

ج - سلسلہ سہروردیہ پر تحقیق کرنے والے محقق کو تمام ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

قارئین سے التماس ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں ہماری رہنمائی فرما کر اس علمی اور تحقیقی کارِ خیر میں حصہ دار بنیں۔

۱- مندرجہ بالا ہر دو موضوعات پر نایاب کُتب کی نشاندہی فرمائیں تا کہ اُن کی عکسی نقل کتابخانہ میں مہیا کی جا سکے۔

۲- احباب جس کتاب، مخطوطے یا مقالے کی فوٹو کاپی روانہ فرمائیں گے اُس کا تمام خرچ بمعہ ڈاک، فاؤنڈیشن برداشت کرے گی۔

مندرجہ بالا امور کے بارے میں آپ کے تعاون اور آرا کا ہمیں انتظار رہے گا۔

مدیر کتابخانۂ سہروردیہ

۱۱۵- میکلوڈ روڈ لاہور-۵۴۰۰۰

فون:-۲۲۲۷۸۲

فہرست مطبوعات

زیر طبع

۱- **فتوت نامہ** (فارسی، اردو)

از حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (رحہ)
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض
(حضرت شیخ الشیوخ (رحہ) کے دو فتوت ناموں کے اردو ترجمے کی اولین اشاعت بمعہ فارسی متن)

۲- **رشف النصائح الایمانیہ و کشف الفصائح الیونانیہ**

از حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (رحہ) (۶۳۲ھ)
فارسی ترجمہ: معین الدین جمال مشہور بہ معلم یزدی (۷۸۹ھ)
اردو ترجمہ: غلام حسن
(حضرت شیخ الشیوخ (رحہ) کی فلسفہ یونانیہ کے متعلق لکھی ہوئی شہرہ آفاق تصنیف کا اولین اردو ترجمہ)

۳- **الفقر و فخری** (فارسی ترجمہ)

از شیخ السلام حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی(رحہ)(۱۲۷۸ھ)
فارسی ترجمہ محمد نذیر رانجھا

۴- **فتوت نامہ** (فارسی، اردو)

از میر سید علی ہمدانی(رحہ) (کبروی، سہروردی)
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض

۵- **رسالہ کشف الحقایق** (فارسی، اردو)

نگاشتہ: میر سید نور بخش قاینی(رحہ) (کبروی، سہروردی)
تصیحح و ترجمہ: غلام حسن

۶- **مجلہ سہرورد**

موضوعات: علوم اسلامیہ، تصوف، فلسفہ، کتابیات

سہروردیہ فاؤنڈیشن

۱۱۵- میکلوڈ روڈ، لاہور ۵۴۰۰۰ فون: ۲۲۲۷۸۲

احمد بدر اخلاق، لاہور

حضرت شاہ سیدا سرمست سہروردیؒ سیالکوٹی

شہرِ اقبالؒ سیالکوٹ برصغیر پاک و ہند کے قدیم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس شہر کے موجودہ آثار ہماری ثقافت اور تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔ یہ زمانہ ماضی کی امانت اور تہذیب و تمدن کا عکس پیش کرتے ہیں۔ پنجاب میں غزنوی خاندان کی حکومت تقریباً پونے دو سو سال تک رہی۔ (۱) البیرونی جس نے محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے "کتاب الہند" میں جن شہروں کا ذکر لکھا ہے۔ ان میں ایک سیالکوٹ بھی ہے۔ اس سرزمین کے بوسیدہ کھنڈرات، مقدس مزارات، مسمار قلعے، منہدم فصیلیں، گلی گلی میں شہیدوں کے مزارات اور پرانے بتے اس شہر کی گذشتہ عظمت اور پے درپے انقلابات کا پتہ دیتے ہیں۔ (۲)

اس شہر میں بڑے بڑے اولیاء کرام استراحت فرما ہیں۔ جن کے قافلہ سالاروں میں حضرت سید امام علی الحقؒ، حضرت شاہ سیدا سرمست المعروف شاہ سیدانؒ، حضرت شاہ محمد حمزہ غوثؒ، حضرت مولوی عبدالحکیمؒ سیالکوٹی اور ان کے فرزند ارجمند مولوی عبداللہ لاہوریؒ شامل ہیں (۳) ان کے علاوہ اور اکابرین دین بھی ہیں۔ جنھوں نے شہر سیالکوٹ کو اپنا مسکن بنایا۔ خدمت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور علم دین کی بھرپور اشاعت کی اور اسی شہر میں رحلت فرمائی مگر افسوس ان اکابرین کا نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس شہر کی ہر گلی اور ہر کونے میں کسی شہید یا ولی اللہ کا مزار قائم ہے جو اپنی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتا ہے مگر صفحات تاریخ سیالکوٹ ان کے اسماء گرامی سے ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔ ان مزارات میں حضرت شاہ سیدا سرمست سہروردیؒ سیالکوٹی کا مزار بھی شامل ہے۔

آپ کا نام سیدا اور لقب سرمست تھا۔ ملتان سے بارہ میل دور خانپور میں پیدا ہوئے

والد کا نام صاحب تھا۔ تین بھائی اور تھے۔ آپ ارائیں قوم سے تھے۔ خاندانی پیشہ زمینداری اور کاشت کاری تھا۔ خاندان کے دستور کے مطابق دینداری کا چرچا گھر میں تھا ہی۔ قرآن شریف کے علاوہ فقہ کی معمولی تعلیم بھی شاہ سیدا کو دلائی گئی۔ ایک دن کھیت کی رکھوالی کر رہے تھے کہ حضرت شاہ مونگا کا ادھر سے گزر ہوا، جو اپنے وقت کے عظیم ولی تھے انہوں نے حضرت سیدؒا کو دیکھا تو فرمایا

" اس کھیتی کی رکھوالی تو تم کر رہے ہو۔ تم کو اس کھیتی کی فکر بھی ہے جو آئندہ کام آئے گی۔"

یہ بات تیر کی طرح آپ کے قلب و روح میں اُتر گئی۔ کھیت چھوڑ کر اسی وقت حضرت شاہ مونگاؒ کے ساتھ ہو لئے۔ کچھ عرصہ بعد مرشد کے حکم سے گھر آئے مگر وہاں دل نہ لگا۔ کھیتی باڑی، گھر بار سب بھائیوں کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (۴)

آپ نے مرشد کی صحبت سے بہت جلدی باطنی فیض میں کمال حاصل کر لیا۔ جس کے بعد مرشد نے سیالکوٹ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ آپ حسب الارشاد روانہ ہو گئے۔ چونڈہ باجوہ تحصیل ظفروال میں کچھ دن قیام کیا۔ پھر من باجوہ تحصیل پسرور میں چلے گئے جہاں جاتے تھے، خلقت کا ان کی طرف بدرجہ غائیت رجوع ہوتا جاتا تھا۔ تھوڑے دن وہاں رہ کر سیالکوٹ میں آ گئے۔ آپ اپنا زیادہ وقت یاد الٰہی میں صرف کرتے اور خلق اللہ کی ہدائیت و رہنمائی فرماتے۔ ہندوؤں میں وڈیرے کھتری آپ کی بہت خدمت کرتے تھے۔ تعلیم باطن کا درس زور و شور سے جاری تھا۔ آپ کی خانقاہ میں بڑی رونق تھی۔ (۵)

آپ تصرف اور کرامات میں باکمال تھے۔ باطنی اسباق کے ساتھ ساتھ ظاہری تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ نے ایک خانقاہ حجرہ مسجد کنواں اور ڈیوڑھی تعمیر کرائی۔ (۶) آپ پر ہمیشہ جذب و سرمستی کی حالت طاری رہتی تھی۔ اس لئے آپ سیدا سرمست کے نام سے مشہور ہو گئے۔ (۷)

آپ کا شجرہ طریقت یوں ہے۔ حضرت شاہ سیدا سرمستؒ، مرید شاہ مونگاؒ مرید حضرت

شاہ کبیرؒ مرید حضرت شیر اللہؒ مرید حضرت شیخ یوسفؒ مرید حضرت پیر برہان الدینؒ مرید حضرت شیخ صدر الدینؒ مرید حضرت شیخ بدر الدینؒ مرید حضرت شیخ اسماعیل قریشیؒ مرید حضرت شاہ صدر الدین راجن قتالؒ مرید حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانیؒ مرید حضرت صدر الدین عارفؒ مرید حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ۔ (۸)

آپ کے چار مشہور خلفاء ہوئے۔

۱۔ حضرت شاہ دولہ گجراتیؒ (۹)

۲۔ حضرت شاہ جمالؒ ساکن گکھڑ چیمہ۔

۳۔ حضرت شاہ زیدؒ ساکن داؤکی ضلع گجرات۔

۴۔ حضرت شاہ ملوکؒ (آپ حضرت شاہ سید اسرمستؒ کے بھتیجے تھے)

ریاست کشمیر کے اکثر و بیشتر علاقوں میں شاہ سرمستؒ کے مریدین کی خانقاہیں موجود ہیں۔ شاہ سرمستؒ کے ایک اور خلیفہ سید السادات خانؒ تھے۔ جن سے ایک نیا سلسلۂ طریقت سدو شاہی شروع ہوا۔ (۱۰)

آپ نے عہد جہانگیری (م ۱۶۰۶ء/ ۱۰۱۵ھ) میں وفات پائی۔ عمر ۸۰/۹۰ سال کے درمیان تھی۔ آپ ساری عمر مجرد رہے۔ اپنی تیار کردہ خانقاہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی خانقاہ کے گرد پختہ فصیل ان کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ دولہ گجراتیؒ نے بنوائی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی عمارات بنائی گئیں۔ (۱۱) صوفی اکبر علیؒ سلیم التواریخ میں لکھتے ہیں۔

"یہ اچھی پُر رونق جگہ تھی مگر افسوس اب وہ رونق نہیں رہی اور اسلامیوں کی عام افسردگی کا اثر یہاں بھی ہے۔ اس خانقاہ کے نام قریباً تیس گھماؤں اراضی وقف تھی۔ اس وقت فقیر نام مجاور ہے۔ (۱۳) بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت کے برادر زادہ شاہ ملوک کی اولاد میں سے ہے۔ حال ہی میں امریکن مشن سکول کا بورڈنگ ہاؤس اس خانقاہ کی جانب مشرق بنایا گیا ہے۔"

آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔ آپ کا مزار مقدس شاہ سیداں نزد تحصیل بازار سیالکوٹ میں واقع ہے۔ یہ محلہ آپ کے نام پر مشہور ہے۔ (۱۲)

حواشی

۱۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں البیرونی ہندوستان آئے علم ہیئت، ریاضی اور جغرافیہ کے ماہر تھے۔ محمود کے دربار کی زینت تھے۔ آپ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں بیرون میں ۳۶۲ھ/ ۹۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ تیئیس برس تک اپنے وطن میں رہے۔ پھر کئی سال شمس المعالی والئے جرجان و بحرستان کے دربار سے وابستہ رہے ۸۷ سال کی عمر میں ۱۱۴ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۴۴۰ھ/ ۱۰۵۱ء میں وفات پا گئے۔

۲۔ تذکرہ حضرت امام سیدنا علی الحقؒ از میاں اخلاق، ص: ۴۱۔

۳۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کے فرزند ارجمند تھے اور مولوی عبداللہ لاہوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ اپنے زمانے کے عالم متبحر اور فقیہی کامل تھے۔ ۱۰۹۰ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کی استدعا پر فتاویٰ عالمگیر کی تدوین میں شریک ہوئے تھے۔ سیالکوٹ میانہ پورہ میں اپنے باپ کے پہلو جانب مشرق دفن ہوئے۔

۴۔ سلیم التواریخ از صوفی اکبر علی، ص ۳۹۷۔

۵۔ ایضاً ص ۳۹۸۔

۶۔ ایضاً ص ۳۹۸۔

۷۔ تاریخ ارائیاں از علی اصغر چوہدری، ص ۲۹۴۔

۸۔ سلیم التواریخ از صوفی اکبر علی، ص ۳۹۹۔

۹۔ حضرت سید اسرستؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اتفاق سے ان کے حلقۂ ارادت میں ایک اور صاحب بھی تھے، جو انہیں کے ہم نام تھے۔ سید اسرستؒ نے چاہا کہ ان صاحب کو نعمت باطنی سے سرفراز کریں۔ اپنے حجرے سے آواز دی۔ دولا یہاں آؤ۔ اتفاق کہ وہ موجود نہ تھے۔ شاہ دولا نے سنا تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو

گئے۔ سید اسرمست نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں بلایا تھا۔ یہ فوراً لوٹ گئے اور حجرے کے دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سید اسرمست نے پھر آواز دی کہ دولا یہاں آؤ۔ اس وقت بھی وہ دولا موجود نہ تھے۔ یہ پھر حاضر ہو گئے۔ سید اسرمست نے ان کو روحانی نعمتوں سے سرفراز کر کے فرمایا کہ جس کو خدا تعالیٰ سرفراز فرماتا ہے۔ وہی شاہ دولا ہوتا ہے۔ آپ شاہ دولاؒ گجراتی کے نام سے مشہور ہوئے۔

۱۰۔ خطہ پاک اوچ، از مسعود حسن شہاب ص ۳۲۴۔

۱۱۔ تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہور ص ۲۵۶، سلیم التواریخ ص ۳۹۸، نالہ عزبا ۱۳۸۹ھ از عبد الصمد غلام محمد ابن عمر بخش پشاوری ساکن رنگ پورہ سیالکوٹ ص ۷۰۔

۱۲۔ تذکرہ امام سیدنا علی الحقؒ از میاں اخلاق احمد، ص ۶۹۔



ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری

سیاہی

دوات میں مرکزی چیز سیاہی ہے۔ جس سے نقوش پائیداری پاتے ہیں۔ عہد سلاطین میں سیاہی بنانے کے سادہ و آسان نسخے درج کردیے گئے ہیں۔ مغلیہ عہد حکومت تکلف و نمائش و آرائش کا دور تھا۔ حسن پرستی کے باب میں ہر رنگ و ہر نوع میں بے انتہا تکلف تھا۔ سیاہی کے لئے بھی پرتکلف نسخے تیار ہوئے۔ جن میں سے بعض نسخہ جات کی تفصیل یہاں درج کردی جاتی ہے۔ یہ نسخے مغلیہ دور میں پاکستان میں استعمال ہوئے تھے۔

سیاہی بنانے کے نسخے

۱۔ نسخہ از یاقوت مستعصمی دودۂ نفت یا دودۂ روغن بزرکتان چربی گرفتہ ۱۰ مثقال، صمغ عربی، ا مثقال برقشنای سوختہ، دہی یا فضی یا ناسی یا حدیدی، ۵ مثقال، زنگار قبرسی، ۳ مثقال، سیندھانمک، ۲ مثقال، صبر سقوطری، ۲ مثقال۔

سب کو آب صمغ کے ساتھ، جس میں گوند سے پانی دہ چند ہو۔ ہاون میں گوند ملا کر بقول بعض ایک دن اور بقول بعض دو پہر تک خوب گھوٹتے تھے اور استعمال میں لاتے تھے۔ اس سے ایسی سیاہی بنتی، جس سے کاتب لوگ ایک قلم سے تیس تیس سطر نہایت خوبصورت براق لکھے جاتے۔

۲۔ نسخہ مجنون بن محمود خوشنویس

ہم سنگ دودہ زاج است
ہم سنگ ہر دو مازد

ہم سنگ ہر سہ صمغ است   وانگاہ زدو   بازو

مازو کو کوٹ کر صاف پانی میں بھگو دیتے۔ پھر ذرا آنچ پر رکھ دیتے۔ جب جھلی پڑ جاتی۔ اس جھلی کو اتار دیتے اور اسی طرح جھلی اتارتے جاتے۔ حتیٰ کہ جھلی پھر نہ آتی۔ پھر صاف کر کے شیشے میں رکھ دیتے اور گوند کسی دوسرے برتن میں پانی یا گلاب میں بھگو دیتے کہ نہ بہت گاڑھا ہو نہ پتلا۔ پھر کاجل کو صاف کر کے ظرف مسی بے قلعی میں گوند کے ساتھ ملا دیتے اور چوبی دستہ سے جس کے سر پر تانبا لگا ہوتا، گھستے۔ پھر زاج کو پانی میں ڈال کر حل کر لیتے اور اس کو صاف کر کے اس میں ملا دیتے۔ پھر چالیس روز تک ہمیشہ تھوڑا تھوڑا مازو اس میں شامل کرتے تھے اور کوٹتے رہتے اور گھستے رہتے کیونکہ جس قدر زیادہ گھستے زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر ایک صاف پاکیزہ کپڑے سے چھان کر کسی تانبے یا شیشے کے برتن میں ڈال دیتے اور گھستے وقت گرد و غبار سے محفوظ رکھتے۔ میر علی نے لکھا ہے کہ سو گھڑی تک خوب زور سے گھستے۔

بعض دیگر نسخے

۳۔ مازوی کبود سو مثقال کو پانی کے ساتھ نرم آنچ پر جوش کریں۔ تاکہ قوام بن جائے پھر اتار کر دو دام زاج کو کپڑے میں باندھ کر جب نیم گرم ہو جائے، اس میں حل کر دیں پھر صمغ عربی (گوند ببول) پچاس دام اس میں بھگو دیں۔ اور بیس دام کاجل چربی گرفتہ کے ساتھ ۸ دن میں خوب گھسیں تاکہ اچھی طرح حل ہو جائے اور دو دن تک دھوپ میں رکھیں عمدہ سیاہی بن جائے گی۔

۴۔ مازوی سبز، سو راج سو مثقال کو باریک پیس کر پانی میں جوش کریں تاکہ پک کر قوام بن جائے۔ پھر ذرا دیر رہنے دیں تاکہ نیم گرم رہ جائے۔ پھر زاج سیاہ دس مثقال کو کوٹ کر کپڑے میں باندھ دیں، اور اس پانی میں ہاتھ سے ملیں اور کپڑے کو پھینک دیں۔ اور سو مثقال سے دو سو مثقال تک صمغ عربی خالص اس میں حل کریں اور صاف کر لیں اور دودھ چربی گرفتہ کو تانبے کے برتن میں کر کے قطرہ قطرہ اس پانی سے اس پر ٹپکا دیں اور

ملاتے جائیں اور گھسیں اور روز دھوپ میں رکھیں اور جس قدر ملانے اور گھسنے میں زیادہ کوشش کریں گے، زیادہ عمدہ اور اچھی سیاہی بنے گی۔ اگر چاہیں زیادہ براق ہو تو دو مثقال مصری اس میں اضافہ کر لیں۔

۵۔ نسخۂ حکیم محمد مومن خاں

پختہ مازو، زاج سیاہ دودہ برزکتان مساوی الوزن و صمغ عربی مساوی کل مجموعہ۔ اوّل مازو کو کوٹ کر پانی میں بھگو دیں اور جوش دیں تاکہ پک جائے۔ جب پک جائے، صاف کرکے سب اجزاء اضافہ کریں اور جوش دیں تاکہ یکساں ہو جائے۔ آگ جلاتے جائیں حتیٰ کہ قوام بہت گاڑھا ہو جائے۔ پھر حسب خواہش پانی ملا کر پتلا کر لیں۔

۶۔ نسخہ مولانا میر علی خوشنویس

دودھ چربی گرفتہ ۴ مثقال، صمغ عربی ۲ مثقال، زاج قبرصی ۲ مثقال، برگ سورد ۲ مثقال، برگ حنا ۳ مثقال، نوشادر ۱/۲ مثقال، مازو ۸ مثقال، زعفران آدھ مثقال نبات سفید ۱/۲ مثقال۔ اوّل پانچ من پانی کو کسی مٹی کے برتن میں جوش دیں۔ جب تین من رہ جائے۔ پھر مازو، زاج، گوند، برگ سورد، برگ حنا ہر ایک کو پانی میں علیحدہ علیحدہ بھگو دیں کہ پانی ان سے قدرے اونچا ہو جائے۔ پھر کاجل کو نوشادر کے ساتھ پیس لیں اور گوند پیس کر اس میں حل کر لیں تاکہ خمیر ہو جائے۔ پھر آب مازو، زاج، برگ حنا، برگ سورد کو چھان کر آپس میں ملا لیں اور کاجل، گوند کو اس میں کوٹ کر پانی میں حل کر لیں۔ پھر تھوڑا سا زعفران اور مصری کو جوش دادہ پانی میں حل کریں اور خوب پیسیں۔ جتنا پیسیں گے عمدہ سیاہی تیار ہوگی۔ یہ سیاہی اس قدر پختہ ہوگی کہ دھونے سے بھی کاغذ سے محو نہیں

سیاہی بنانے کے یہ نسخے اثر رنگ چین مصنفہ منشی دیبی پرشاد سے لئے ہیں۔ جو مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۸۹۹ء کو شائع ہوئی۔

ہو گی۔

۷۔ نسخہ سادہ

دودھ چربی گرفتہ ایک جزو، صمغ عربی (گوند) ۸، جزو کو چوب بیجاسار کے پانی میں حل کریں اور کاجل کو موٹے کپڑے میں پوٹلی باندھیں اور اس پوٹلی کو تانبے کے بے قلعی برتن میں رکھ کر تھوڑا تھوڑا گوند کا پانی ڈالیں اور ہاتھ سے خوب ملتے جائیں۔ ایک دن میں سیاہی بن جائے گی۔

۸۔ نسخہ دیگر

دودھ چربی گرفتہ، زاج سفید یعنی پھٹکڑی مساوی الوزن، صمغ عربی چار چند، چوب بیجاسار کو کوٹ کر پانی میں بھگو دیں۔ پھر اس کا صاف پانی لے کر گوند پھٹکڑی کو اس میں بھگو اور چھان کر حسب دستور کاجل کے ساتھ لوہے کے برتن میں ببیب کی لکڑی سے، جس کے اوپر تانبا لگا ہوا ہو۔ حل کریں اور تھوڑا تھوڑا بیجاسار کا پانی ڈالتے جائیں۔ یہ کام دس دن تک کریں اور آخر میں نیلا تھوتھا، نمک لاہور اور مصری ملا کر دوات میں ڈال لیں۔

۹۔ نسخہ کاغذ پر پھٹنے والی سیاہی

کتھ دو حصّے، چونا ان بجھ ایک حصّہ، گوند ایک حصّہ۔ اوّل گوند کو حل کر کے اس پانی میں کتھ ملا دیں۔ پھر چونا ملا دیں۔ خوب حل کر کے لکھیں۔ اس روشنائی کو خوب بند کر کے رکھنا چاہیئے۔ یہ نسخہ راقم قریشی احمد حسین احمد قلعداری کا ہے۔

۱۰۔ نسخہ مدادِ ھادِ نوع

دودھ روغن کتان چربی گرفتہ، مازو سے سبز دو درم، زاج ترکی آدھ درم، صمغ عربی ۴ درم، گوند کو دہ چند پانی میں بھگو دیں اور چھان لیں اور دو درم کاجل کے ساتھ ہاون رگڑیں

میں خمیر کرلیں اور مازو کو خوب کوٹ کر چہار چند پانی میں ایک رات بھیگا رہنے دیں۔ دوسرے دن ملائم آگ پر یہاں تک قوام کریں کہ کاغذ پر نشر نہ ہو۔ پھر صاف کرکے چینی یا شیشے کے برتن میں بند کرکے رکھ دیں تاکہ جھلی آ جائے۔ اس کو نکال دیں اور اسی طرح عمل کریں جب تک جھلی نہ آ دے۔ پھر چھان کر رکھ دیں اور زاج کو چہار چند پانی میں بھگو کر حل کر دیں۔ پھر اس کا صاف پانی لے کر جوش دیں تاکہ قوام ہو جائے اور کاغذ پر سے نشر نہ ہو۔ تب اس کو مازو کے پانی میں ملا دیں اور وقت ضرورت تھوڑا تھوڑا پیس لیں۔

۱۱۔ مداد افشاں

اوّل مداد بطریق متعارف مذکورہ بالا تیار کریں۔ لیکن بجائے نمک کے طلا کو حل کرکے آخر میں ڈال دیں اور بجائے نصف وزن صمغ کے دو ماشے بریشم اور طلا داخل کرنے سے پیشتر ایک ماشہ زعفران کو خوب حل اور صاف کرکے داخل کریں۔ پھر طلا کو دوات میں ڈال کر رکھیں۔ لکھنے کے بعد حروف خشک کرکے سنگ جرح کے مہرے سے گھوٹیں، افشاں معلوم ہوگا۔

۱۲۔ نسخہ حاجی عبداللہ مرحوم

دودھ چار تولہ، صمغ عربی ۸۔ تولہ، زاج یک ماشہ، برمکی یک ماشہ، نیل یک ماشہ، مازوی سبز، ۲۔ عدد، دفنیشائی ذہبی ۲۔ ماشہ، نیلا تھوتھہ ۲۔ ماشہ، صبر سقوطری ۲۔ ماشہ، کاجل کو ایک کپڑے میں باندھ کر برگ اروسہ (بانس) اور برگ سیب اس پر لپیٹ کر ایک دیگ میں ڈال کر پانچ سیر پانی میں دو گھڑی تک جوشش دیں۔ پھر نکال کر گوند کو پانی میں حل کرکے تانبے کے ہیلے قلعی برتن میں ڈال کر کاجل کو اس نیب کی لکڑی سے تین روز تک حل کریں۔ پھر ادویہ مذکور کو جدا جدا باریک پیس کر اور مازو کو آگ میں جلا کر باریک پیس کر اس میں ڈال دیں اور اکیس روز تک حل کریں۔ جب اس کا پانی خشک ہو جائے۔ بیجا سار کی لکڑی کا پانی اس میں ڈال دیں۔

۱۳- نسخہ سہل الماخذ

مازوی سبز نیم کوفتہ بقدر ضرورت لے کر دو چند وزن پانی کے ایک برتن میں ڈال کر دھوپ میں رکھ دیں۔ یہاں تک ۸/۳ حصہ کم ہو جائے۔ پھر اس کو کسی کاغذ پر ڈال کر آزمائیں۔ اگر دوسری طرف پھوٹ نکلے تو پھر دھوپ میں رکھ دیں۔ حتٰی کہ گاڑھا ہو جائے اور کاغذ پر نہ پھوٹے۔ پھر چھان کر اس میں آب زاج تر کی قطرہ قطرہ ٹپکا دیں اور ایک لکڑی سے ملاتے جائیں تاکہ سیاہ ہو جائے لیکن سیاہی کے بعد آب زاج نہ ڈالیں ورنہ خراب ہو جائے گی۔

۱۴- نسخہ مداد خشک

دودہ روغن گرفتہ، ایک جز، زاج دو جز و، صمغ عربی ننو جز و، سب کو اسی طرح کوٹ کر رکھیں اور وقت ضرورت پانی میں تھوڑی سی حل کر کے استعمال کریں۔

۱۵- نسخہ مداد خشک دیگر

دودہ چربی گرفتہ کو آب صمغ کے ساتھ پیتل کے برتن میں خوب خمیر کر کے ملیں اور پھر تھوڑا سا آب صمغ ڈال کر مٹی کے برتن میں خوب گھسیں اور خشک کر لیں۔ وقت ضرورت آب صمغ میں گھول کر استعمال کریں۔

یہ چند نسخہ جات مداد سیاہ کے درج کئے جاتے ہیں، جو پاکستان میں استعمال ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد نسخہ جات ہیں۔ جو بخوف طوالت حذف کئے جاتے ہیں۔

روشنائی سرخ

روشنائی سرخ براق مخترعہ محمد امیر پنجہ کش، کتھ سرخ صاف ایک وزن، مسجی نصف وزن، ایلوا ربع وزن، جدا جدا کوٹ کر رات کو صاف پانی میں ڈال دیں۔ صبح کو کسی مسی یا برنجی میں چولہے پر چڑھا کر اول کتھے کو پانی میں جوش دیں۔ جب جوش آنے لگے۔ اس میں

بتدریج سجی کا پانی اور تھوڑا تھوڑا ایلوے کا پانی ڈالتے جائیں۔ جب دونوں مل جائیں، تو کفچے سے حرکت دیتے رہیں۔ جب قوام قابل تحریر ہو جائے تو اتار کر پارچہ سنگیں میں چھان لیں۔

دودہ بنانے کی ترکیب

دودہ بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ چراغ نو آب ندیدہ، روغن کنجد یا سرشف یا خشخاش یا کتان سے پُر کر کے اس میں فتیلہ پارچہ کتان کو یا اور کپڑے کے روشن کر کے ایسے مقام پر رکھیں کہ صدمہ باد نہ پہنچے اور چراغ کے گرد تین خشت رکھ کر ظرف سفالی کو محدب شکل میں اس کے اوپر رکھ دیں۔ اس طرح کہ تمام ہوا بند نہ ہو جائے اور سر شعلہ سے قدرے بلند ہو۔ تھوڑے عرصہ کے بعد کاجل محدب پیالہ میں جمع ہو جائے گا۔

کاجل صاف کرنے کی ترکیب

پانی میں پیالی بھریں اور کاجل کو اس میں ڈال دیں اور پھر نکال لیں۔ ریگ نیچے پہنچ جائے گی۔ کاجل صاف ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ دودہ بناتے وقت محدب پیالہ کو صاف کرتے ہوئے کچھ پیالہ سے ریگ کاجل میں داخل ہو جاتی ہے۔

کاجل کو چربی سے صاف کرنے کے لئے کاجل کو پسے ہوئے نمک کے ساتھ کاغذ کی پڑیا میں رکھ کر نرم خمیر میں بند کر دیں اور اس کو گرم تنور میں ایک خشت پر رکھ دیں یا گرم راکھ میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ خمیر پک جائے مگر جل نہ جائے۔ پھر نکال کر دوبارہ یہی عمل کریں۔

نسخہ دیگر

کاجل کو کسی برتن میں رکھ کر ایک فتیلہ جلا کر کاجل کے متصل کریں تاکہ جلنے لگے، استعمال میں لائیں۔

حکیم محمد حسین خان شفاؔ

حضرت حافظ شاہ جمال اللہ گجراتی اور اُن کی مجاہدانہ خدمات

حضرت حافظ شاہ جمال اللہؒ سترہویں صدی عیسوی کے ان اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے عہد کی تاریخ، تہذیب، سیاست اور معاشرے پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ حافظ صاحبؒ ان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے زہد و تقویٰ کے ساتھ ایک مجاہد کی زندگی گزاری۔ اہل دل حضرات کا خیال ہے اور درست ہی ہوگا کہ قدرت کچھ خاص کاموں کے لئے ہر زمانے میں ایسے برگزیدہ بندے پیدا فرماتی ہے۔ جن کا مقصد اپنے عہد میں انسانوں کی خیر خواہی کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت بھی ہوتا ہے۔ روہیل کھنڈ کی ان نفوس قدسیہ میں حافظ شاہ جمال اللہؒ کا بہت ہی ممتاز اور مفتخر مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب کے عہد میں کچھ لوگوں نے انہیں اوتار بھی کہا ہے۔ حافظ صاحب کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے عہد اور معاصرین پر ایک نظر ڈالی جائے۔

حافظ صاحب کی ولادت ۱۷۲۴ء کے لگ بھگ گجرات پنجاب (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ کا تعلق سادات گھرانے سے تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن اور وزیر آباد میں ہوئی نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی غیبی اشارہ سے دہلی چلے آئے یہاں اس عہد کے علماء سے عصری تعلیم حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ یہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ کا انتہائی بحرانی دور تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی

کیٹلاگر، رضا لائبریری، رام پور۔ بھارت۔

تھی ۔ سیاسی، سماجی اور اقتصادی اعتبار سے ملک دیوالیہ ہو چکا تھا۔ خاندان مغلیہ نے اورنگ زیب کے بعد ہی تو دم توڑ دیا تھا۔ اس وقت محمد شاہ رنگیلا سلطنت دہلی کا برائے نام حکمران تھا۔ مرہٹے، سکھ، جاٹ، روہیلے اور انگریز مغلیہ حکومت کی جانشینی کے لئے کوشاں تھے ۔ مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے بارے میں مؤرخین کا فیصلہ تھا کہ ان میں کل ہند سیاسی اور فلاحی حکومت قائم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مستقبل میں ہندوستان پر حکمرانی کے لئے روہیلوں اور انگریزوں میں مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔ چونکہ روہیلے افغانی النسل تھے ۔ ان کو ہندوستان پر حکمرانی کا تجربہ تھا۔ خلجی، سوری، تغلق سب ان ہی کی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ہندوستان کی اہم شخصیتیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا مظہر جان جاناں، قاضی ثناء اللہ اور حضرت شاہ قطب الدین سرہندی مجددی وغیرہ روہیلوں کو ہندوستان پر حکمران دیکھنے کے خواہشمند تھے ۔ یہ حضرات روہیلوں کو ملت کی کشتی کا محافظ و نگران تسلیم کر رہے تھے ۔ ان سب حضرات کا خیال تھا کہ بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عربوں میں جو خوابیدہ قوتیں تھیں ۔ وہ سب روہیلوں میں موجود ہیں۔ بس ضرورت ان کی تعلیم و تربیت کی ہے ۔ سب ہی دانش ور خاندان مغلیہ سے مایوس اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خائف تھے اور روہیلوں کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے ۔ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق روہیلوں کی تعلیم و تربیت اور فلاح کے لئے جد و جہد کر رہے تھے ۔ ادھر انگریزوں، نوابین اودھ اور روہیلوں میں آخری معرکہ کی تیاریاں بھی زور و شور سے جاری تھیں ۔

اسی دوران حافظ شاہ جمال اللہؒ کے پیر و مرشد حضرت سید قطب الدینؒ (۱) نے حافظ شاہ جمالؒ کی بارہ سال تک روحانی فوجی تربیت مکمل کر کے ۱۱۷۳ھ کے لگ بھگ روہیل کھنڈ کی خلافت، ولائیت عطا کر کے حکم دیا کہ اب تم روہیل کھنڈ کے معاملات کی درستی اور روہیلوں کی اصلاح و تربیت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دو۔ چنانچہ حضرت حافظ شاہ جمال اللہؒ نے ایسا ہی کیا، آپؒ نے روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے بارے میں اپنے منصب کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اس علاقہ کے قطب ارشاد ہیں ۔ حافظ صاحب کے اس جملہ کی تشریح شاہ رؤف صاحب نے اپنی کتاب " در المعارف " اور امام الدین خان صاحب نے اپنی کتاب " مجمع الکرامات " میں

کی ہے۔ (۱)

ان لوگوں کا خیال ہے کہ حافظ صاحبؒ مصلح، مجدد اور قطب الاقطاب تھے۔ امام الدین خاں لکھتے ہیں۔ چونکہ حضرت حافظ شاہ جمال اللہ صاحبؒ قطب ارشاد تھے۔ اس وجہ سے اکثر سلطنتوں کے انتظامات بالخصوص حکمرانوں کی بنیادوں کے استحکامات اور استیصال کی طرف آپ کی توجہ مبذول رہتی تھی اور یہی کام آپ کو تفویض ہوا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے پیر و مرشد نے علوم باطنی کے ساتھ فنون حرب میں بھی حافظ صاحبؒ کو مہارت تامہ حاصل کرا دی تھی شومی قسمت سے جب حافظ صاحب روہیل کھنڈ کی جانب متوجہ ہوئے، تو یہاں کے سیاسی حالات پلٹا کھا چکے تھے۔ روہیلوں کے ذہین ترین قائدین نواب علی محمد خاں (م ۱۷۴۹ء) اور نواب نجیب الدولہ (م ۱۷۷۰ء) کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ لوگ آپس میں دست و گریباں تھے۔ ۱۳ر نومبر ۱۷۴۹ء کو ان کے دو گروہ نواب قائم خاں بنگش اور حافظ رحمت خاں میں شدید جنگ ہو چکی تھی۔ جس سے روہیلہ طاقت پاش پاش ہو گئی تھی۔ ادھر روہیل کھنڈ پر حافظ رحمت خاں حکمران تھے۔ جو ایک سادہ لوح، نیک نفس اور غیر سیاسی حکمران تھے۔ انہوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے روہیلہ حکومت کی مرکزیت کو ختم کر دیا اور بجائے تنخواہ کے پورے روہیل کھنڈ کو مختلف سرداروں میں بانٹ دیا۔ جس کی وجہ سے روہیل کھنڈ میں افراتفری پھیل گئی اور اس سے فائدہ اٹھا کر روہیلوں کے دیرینہ دشمن انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ بہت سے روہیلہ سرداروں نے غداری کی۔ اس جنگ میں حافظ رحمت خاں کے ساتھ روہیلہ فوج میں حضرت حافظ شاہ جمال اللہ صاحبؒ بھی پیش پیش رہے۔ دراصل آزادی وطن کے لئے روہیل کھنڈ میں لڑی جانے والی ۲۳۔ اپریل ۱۷۷۴ء کو بہت بڑی جنگ آزادی تھی۔ اس کے مجروحین میں حضرت حافظ شاہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی سرفہرست ہے۔

بقول امام الدین خاں کہ اگر کچھ ناسازگار حالات پیدا نہ ہوتے تو حافظ شاہ جمال اللہ صاحبؒ اور ان کے روہیلہ فدائیوں نے انگریزوں کے دانت ہی کھٹے نہ کر دیئے ہوتے بلکہ وہ جنگ کا پانسہ بھی پلٹ دیتے۔ اس جنگ میں حافظ رحمت خاں شہید ہوئے اور بہت سے انگریز

بھی مارے گئے ، حافظ صاحب، نواب فیض اللہ خان اور باقیماندہ روہیلوں سرداروں نے مافیت اسی میں سمجھی کہ اب جنگ میں محصور ہوکر انگریزوں سے چھاپہ مار جنگ لڑی جائے . اس جنگ میں ان لوگوں کو کافی کامیابی حاصل ہوئی . جس کی وجہ سے انگریز اور شجاع الدولہ روہیلوں سے معاہدہ صلح کرنے پر مجبور ہوگئے . جس کے تحت ریاست رام پور وجود میں آئی . تاریخ میں یہ معاہدہ لال ڈانگ کے نام سے مشہور ہے . کہا جاتا ہے کہ اس معاہدہ میں نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ حافظ شاہ جمال اللہؒ صاحب بھی شریک رہے . ایک روائیت یہ بھی ہے کہ جہاں اس جنگ میں حافظ شاہ جمال اللہؒ صاحب خود زخمی ہوتے . وہاں انہوں نے انگریز نواز ناعاقبت اندیش نواب اودھ کے بھی ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چند ہفتوں میں مر گیا .

حافظ شاہ جمال اللہ صاحبؒ کا شمار ایک صاحب دل ، خاصان خدا ، صوفئ باصفا کے ساتھ ریاست رام پور کے بانی اور معماروں میں بھی ہوتا ہے . آپ ہمیشہ روہیلوں کے ساتھ جنگ و صلح میں شریک رہے . اس کے برعکس آپ کے دیگر ہم عصر صوفیائے کرام و بزرگان دین ریاست رام پور کے قیام کے بعد امن و امان کی تلاش میں یہاں آئے . جس میں حضرت شاہ عبداللہ بغدادیؒ ، ملا فقیر اخوندؒ ، مولانا مرشد میاں مجددیؒ اور سید مولانا جمال الدینؒ وغیرہ شامل ہیں . یہ حضرات اپنی عظمت ، علمیت اور بزرگی کے باوجود وہ مقام حاصل نہ کرسکے ، جو حضرت حافظ شاہ جمال اللہ کو رامپور کے عوام و خواص میں پہلے تھا یا اب ہے . اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حافظ صاحبؒ کی حیثیت اس ریاست میں میزبان کی تھی اور یہ حضرات مہمان تھے . حافظ صاحبؒ اپنے مزاج ، طریقۂ کار اور مشاغل میں بڑی حد تک روہیلوں سے مناسبت رکھتے تھے . حافظ صاحبؒ میں عبادت و ریاست کے ساتھ سادگی ، سپاہیانہ وضع و قطع ، دلدہی اور دلجوئی کے وہ جوہر تھے کہ جنہوں نے انہیں ہر دلعزیز بنا دیا تھا . حافظ صاحب اپنے تربیت یافتہ خلفاء اور مریدوں کے توسط سے چلنے والے بافیض سلاسل اربعہ کی وجہ سے آج بھی مشہور و مقبول ہیں . حافظ صاحب میں شریعت ، طریقت اور سیاست کا حسین امتزاج تھا . ان کے عقیدت مندوں میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی . حافظ صاحب کے تعلقات عوام ، علماء اور صوفیاء کے ساتھ ، رؤسا اور حکمرانوں سے بھی

بے حد خوشگوار تھے ۔ نواب فیض اللہ خان شاہی خزانہ پر اپنے خاندان کے ساتھ حافظ صاحبؒ کا بھی حق تسلیم کرتے تھے ۔ چنانچہ ریاست سے انعام واکرام کے ساتھ شاہی باورچی خانہ سے حافظ صاحبؒ کے لئے کھانا بھی مقرر تھا جو آپ عموماً مزدرت مندوں اور احباب میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سہ ہند کی تباہی کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کا خاندان آپؒ کے پوتے مولانا مرشد میاں کی معیت میں رامپور آیا ۔ حضرت حافظ صاحبؒ ان کی ہر طرح دل جوئی کی ۔ ان کی خدمت کے لئے اپنے عقیدت مندوں کو مقرر کیا اور آپ خود ان کے لئے کھانا لے کر ان کے مکان پر جانے لگے ۔

ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ مولانا مرشد میاں کے لئے کھانا لے کر گئے ۔ وہ یہ کہہ کر آپ ذرا ٹھہریں ، کھانا لے کر گھر چلے گئے اور پھر واپس آنا بھول گئے ۔ حافظ صاحبؒ نے ساری رات ان کے دروازہ پر گزار دی ۔ جب مولانا فجر کی نماز کو باہر آئے تو حافظ صاحبؒ کو دروازہ پر پایا ۔ اب ان کو اپنی بات یاد آئی ، بہت شرمندہ ہوئے ۔ فرمایا ۔ حضرت آپ نے کنڈی کیوں نہ بجادی ۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا ۔ قبلہ بے وقت تکلیف دینے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا ۔

در اصل حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت حافظ شاہ جمال اللہ صاحبؒ کی نظری اور عملی تعلیم یہی تھی کہ دروازوں کو کھٹکھٹانے کے بجائے دلوں پر دستک دی جائے ۔ اپنی ذات پر تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دیا جائے ۔ کبھی کسی کا دل نہ دکھایا جائے ۔ اپنی عبادات کو ریاکاری اور نمائش سے بچایا جائے ۔ اذکار و وظائف بھی اسی طرح پڑھے جائیں کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو ۔ آپ کے یہاں لطیفۂ قلب اور ذکر خفی پر بہت زور ہے ۔ اللہ اکبر کی تکبیر کو حافظ صاحبؒ فقیر کی توپ کہا کرتے تھے کہ جس کا استعمال بہت ہی احتیاط سے کیا جائے حافظ صاحب باجے گاجے ، قوالی اور موسیقی کے سخت خلاف تھے ۔

رامپور کی تشکیل کے بعد جب حافظ صاحبؒ کی رہائش کا مسئلہ آیا تو آپ نے بجائے وسط شہر کے حکام و رؤسا کے ساتھ رہنے کے حواشیٔ شہر میں غیر آباد جگہ رہنے کو ترجیح دی تاکہ شہری ہنگامے ان کی عبادات و ریاضات اور مشاغل میں مانع نہ آئیں ۔ حافظ صاحبؒ کی

بہتّر۷۲ سالہ زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ محنت اور مزدوری کو ذریعہ معاش بنایا۔ اکل حلال اور صدق مقال، دلوں کو جوڑنا، اللہ کی مخلوق سے محبت کرنا اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینا حافظ صاحبؒ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ (۳)

حوالہ جات

۱۔ حافظ صاحبؒ کے پیر میر قطب الدین صاحبؒ سرہندی مجددی کے حالات سرفہ الرخ عربی میں مذکور ہیں۔

۲۔ حافظ صاحبؒ کے بارے میں بنیادی معلومات ان کے دوست مولوی غلام جیلانی خان نے ایک انٹرویو کی شکل میں محفوظ کی تھیں۔ جن کو امام الدین خان نے مجمع الکرامات فارسی مخطوطہ ملوکہ رضا لائبریری میں نقل کیا ہے۔

۳۔ مندرجہ ذیل کتابوں میں آپ کے بارے مزید معلومات درج ہیں:

اخبار الصنادید، مصنفہ علامہ نجم الغنی خاں۔

تذکرہ کاملان رامپور، مؤلفہ احمد علی خاں شوق۔

تذکرہ صوفیاء رامپور مخطوطہ شمس الدین میاں۔

حیات حافظ رحمت خاں، مؤلفہ الطاف علی بریلوی۔

* حکیم محمد حسین خان شفاء

رضا لائبریری رامپور

بھارت کے چند بڑے اور نمائندہ کتب خانوں میں رضا لائبریری رام پور کا مقام و مرتبہ بہت ممتاز ہے۔

تاریخ

اس کتب خانہ کا قیام شمالی ہند میں روہیلہ حکومت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ب ۱۷۳۷ء میں نواب علی محمد خاں نے آملہ میں روہیلہ حکومت قائم کی تو کچھ پشتو، فارسی بی اور مقامی زبانوں کی کتابوں سے ایک ذاتی کتب خانہ بھی قائم کیا، جو ان کے لڑکے نواب ض اللہ خان نے شاد آباد منتقل کر دیا اور جب ۱۷۷۴ء کو ریاست رام پور وجود میں آئی تو یہ کتب خانہ رام پور میں منتقل ہو گیا۔ جو ابتداء میں نوابین کا ذاتی کتب خانہ تھا۔ جب نواب احمد علی خاں ء میں حکمران ہوئے تو انہوں نے آغا یوسف علی محوی کو لائبریرین مقرر کر کے اس کتب خانہ باقاعدہ عوامی کتب خانہ بنا دیا اور فہرست سازی کا کام شروع کر دیا۔ جس کو نواب محمد سعید خاں نے ترقی دی اور ہر کتاب پر ایک مہر لگوائی۔ جس پر ۱۸۵۱ء مندرجہ ہے ہر نواب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ جب بھارت آزاد ہوا تو ریاست رام پور انڈین یونین میں انضمام ہو گیا۔ اس وقت کے نواب رضا علی خان نے ۲ جون ۱۹۵۲ء کو اس تب خانہ کو رضا لائبریری ٹرسٹ قائم کر کے صوبائی سرکار کے سپرد کر دیا اور حکومت نے اس ب خانہ کا نام رضا لائبریری رکھ دیا۔ یکم جولائی ۱۹۷۵ء کو بھارت سرکار نے اس کو قومی ادارہ رار دے کر رضا لائبریری ایکٹ بنا دیا۔ جس کے تحت اب اس لائبریری کا کام ہو رہا ہے۔

---

* کیٹلاگر رضا لائبریری رام پور

کارکنان

اس لائبریری سے ہر دور میں بہت بڑے لوگ وابستہ رہے ہیں۔ جن میں آغا یوسف علی محوی، امیر احمد مینائیؔ، حکیم اجمل خان، بابو بانکے بہاری لال پاٹھک، احمد علی شوق، مسٹر وجیہہ الدین، علامہ نجم الغنی خاں، مولانا قریشی اور آج کل مسٹر سود اس لائبریری کے ایڈمنسٹریٹر ہیں۔

عمارت

اس لائبریری کی عمارت کی تاریخ بھی بہت دل چسپ ہے۔ پہلے یہ لائبریری شاہی توشہ خانہ میں رہی، پھر نواب صاحب کے رہائشی کمرے کے برابر اس کو بھی جگہ دی گئی۔ ۱۹۰۳ء میں باقاعدہ اس کے لئے عالی شان عمارت تعمیر ہوئی اور آزادی کے بعد نواب حامد علی کی ۱۹۰۲ء میں تعمیر کردہ شاندار محل حامد منزل میں اس کو منتقل کر دیا گیا اور آج کل قلعہ معلیٰ کی دو شاندار عمارات حامد منزل اور رنگ محل اس کے تصرف میں ہیں۔ سنٹرل گورنمنٹ اس کا خرچ برداشت کرتی ہے اور گورنمنٹ کا نامزد کردہ بورڈ اس کا نگران ہے۔ جس کی مدت پانچ سال ہوتی ہے۔

اثاثہ و خدمات

تقریباً دو سو سال سے یہ ایک لائبریری بھی رہی ہے اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی۔ پندرہ بیس کتابیں یہ لائبریری شائع کر چکی ہے جو ایڈیٹنگ، کتابت اور طباعت کا مثالی نمونہ ہیں۔ تاریخ، تذکرہ، لغت، ادب وغیرہ پر قابل ذکر کام یہاں ہوا ہے۔ انتخاب یادگار، اخبار الصنادید، امیر اللغات، غالبیات پر اہم کتابیں یہاں سے شائع ہوئی ہیں۔

چونکہ ابھی اس لائبریری کا کیٹلاگ مکمل نہیں بن سکا ہے۔ اس بناء پر کتابوں کے سلسلہ میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں ایک اندازہ کے مطابق کتابوں کا اشاریہ مندرجہ ذیل ہے۔

خزانہ کتب

چھپی ہوئی کتابیں	۵۰،۰۰۰
مخطوطات اور نایاب تصاویر	۱۸،۰۰۰

اس میں بھوج پتر بھی شامل ہیں۔

مخطوطات اور مطبوعات کا "تخمینہ" اشاریہ

زبان	مخطوطات	مطبوعات
عربی	۵۰۵۳	۴۸۶۳
فارسی	۵۰۶۰	۱۵۵۹
اردو	۱۷۸۰	۱۷۷۸۰
ہندی سنسکرت	۱۰۰۰	۲۰۰
تامل تیلگو وغیرہ	۱۵۰	۲۰۰
ترکی و پشتو	۱۰۰	۲۰۰
نادر تصاویر	۳۰۰	۹۰۹۵

انگریزی ایلبم اور فوٹو گراف علیحدہ ہیں

عام تصاویر	۹۰۰
کتبے	۶۰۰

راگ مالا - البم ۱۳، تصاویر ۲۴۰ تقریباً

نوادر طلائی کتابوں کی اجمالی فہرست

زبان	تعداد
عربی	۴۰۵
فارسی	۴۷۵
اردو	۲۶
ترکی	۳
پشتو و متفرق	۲۸
ہاتھی دانت اور مختلف	۵۰۹

ایک انتہائی باریک ہاتھی دانت کی پلیٹ پر اکبر اور اس کے نورتن کی تصاویر بھی ہیں۔

دو گراں قدر تصانیف کی تدوین

تاریخِ سلسلۂ سہروردیہ

سہروردیہ فاؤنڈیشن سلسلۂ سہروردیہ کی تاریخ تحقیقی روش پر لکھوانے کی خواہشمند ہے۔

اُن تمام علاقوں میں سلسلے کی تاریخ قلمبند کی جائے گی جہاں یہ سلسلہ رائج ہے۔

تاریخِ تصوّف و سلاسلِ متصوفہ پر صاحبِ نظر ارباب علم سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔ اِس موضوع پر کُلّی یا جزوی طور پر لکھنے والے محققین کی خدمت میں معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا۔

مآثرِ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ اور وابستگان کی تصانیف اور اِس سلسلے کے بارے میں لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کی علیحدہ فہرست مرتّب کی جا رہی ہے۔ جن احباب کے پاس ایسی کتابیں یا معلومات ہوں وہ ہماری راہنمائی فرمائیں۔

کتب کے حسبِ ذیل کوائف درکار ہیں :

۱۔ کتاب کا نام ۲۔ مصنف کا نام ۳۔ تاریخ تصنیف ۴۔ زبان ۵۔ خصوصیت
۶۔ مطبوعہ ہونے کی صورت میں ناشر، سالِ اشاعت اور تعداد صفحات ۷۔ قلمی ہونے کی صورت میں کاتب، تاریخ کتابت اور کتبخانے کا نام

مقالات کے حسبِ ذیل کوائف مطلوب ہیں :

۱۔ مقالہ نویس کا نام۔ ۲۔ مقالے کا عنوان اور زبان۔ ۳۔ رسالے کا نام، شمارہ اور ناشر۔ ۴۔ صفحات کا نمبر شمار

سہروردیہ فاؤنڈیشن۔ ۱۱۵ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

جادۂ جویائی حق

ملفوظات: عارف کامل، شیخ طریقت سہروردیہ

حضرت صوفی ابونصیر محمد نذیر غوری سہروردی دائم برکاتہم

مرتبہ: سید اویس علی سہروردی

اکیسویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو آپ اپنے شیخ مکرم حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کی تصنیف "الفقر و فخری" کا درس دے رہے تھے۔ دوران درس جب آپ باب ۲۵ "ضرورت شیخ اور ثبوت بیعت" کے ضمن میں ان فقرات پر پہنچے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چند قسم کی بیعتیں لی ہیں۔ کبھی کسی عمل کے کرنے پر، کبھی ممنوعات کے ترک کرنے پر، کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی بیعت عام کبھی بیعت خاص، کبھی کسی شخص خاص کی اور کبھی کسی قوم خاص کی، کبھی مردوں کی اور کبھی بحکم قرآن عام عورتوں کی کہ ہم شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، قتل اولاد نہ کریں گی اور ایک مرتبہ خاص انصار عورتوں سے بیعت لی کہ ہم نوحہ نہ کریں گی۔"

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ عورت فطرتاً چوہے کی مانند پس انداز کرتی ہے۔ برادرم روحانی [illegible] العزیز خاں سلمہ تعالےٰ نے عرض کی کہ حضورؐ اس کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وجہ یہ ہے۔ (آپ نے اپنے قریب پڑے ہوئے چینی کے پیالے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا) کہ جیسے اسے میں ہاتھ سے جان بوجھ کر چھوڑ دوں تو یہ ٹوٹ جائے گا اور اگر یہ میرے ہاتھ سے غلطی سے چھوٹ جائے تو پھر بھی یہ ٹوٹ جائے گا۔ یعنی پیالہ ہر دو صورتوں میں ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر میں آپ کے فائدے کے لئے آپ سے پوچھ کر آپ کی جیب سے پیسے نکال لوں یا آپ سے بغیر پوچھے نکال لوں۔ گو ہر دو صورتوں میں آپ کا فائدہ پیش نظر ہو۔ پھر بھی پہلی حالت میں چوری نہ ہوگی اور دوسری حالت میں چوری ہوگی۔

بعینہٖ اسی طرح عورتیں رقم پس انداز کرتی ہیں، اور اس کے لئے وہ بیان کردہ ہر دو صورتیں

اختیار کرتی ہیں۔ جیسے اپنے میاں کی جیب سے گھر کے اخراجات کے لئے رقم بغیر پوچھے نکال لینا یا ۱۰ روپے کی چیز منگوانے کے بجائے ۹ روپے کی چیز منگوا لینا تاکہ تھوڑی تھوڑی رقم بچتی جائے اور وہ بچوں کے لئے بوقت ضرورت کام آئے۔ اب گو ان کی نیت بھلائی پر مبنی ہے مگر ذریعہ غلط اختیار کیا گیا ہے کیونکہ رقم بلا اجازت نکالی گئی مگر اس کے برعکس جو مرد گھر کے اخراجات کے لئے صحیح خرچ مہیا نہیں کرتے۔ ان کی بیویاں اگر ایسا کریں تو وہ مجرم نہیں۔

اسی طرح ایک بی بی مائی ہندہؓ تھیں۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشدامن بھی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر جب وہ ایمان لائیں تو وہ دربار رسالت میں اس طرح حاضر ہوئیں کہ چادر سے منہ چھپایا ہوا تھا تاکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات میں جلال نمودار نہ ہو جائے۔ آپ نے بیعت ہونے کے بعد عرض کی کہ جس کا خاوند قبیلے کا سرداروں میں رئیس بھی ہو اور گھر خرچہ پورا نہ دے تو کیا اس کی بیوی خاوند سے بغیر اجازت اس کے پیسے لے سکتی ہے۔ آپ مسکرائے اور انہیں فرمایا' ہاں لے سکتی ہے۔ اس میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ آپ خاندانی لحاظ سے دولت مند تھیں اور عرب کے سب سے زیادہ قابل عزت گھرانے سے متعلق تھیں۔ دوسرا نبوت سے تعلق بھی کئی سو سالوں سے چلا آ رہا تھا مگر اپنی کوتاہی کا اظہار مجلس میں کر دینا بڑی عظیم بات ہوتی ہے اور نکتہ یہ ہے کہ دراصل یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ روحانی کا اثر تھا کہ جان چلی جائے مگر حق باطل سے نہ ملے۔ سچ بولنے کے لئے چاہے کتنی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ سچ ہی بولا جائے۔ یہ فقرے کہتے ہوئے آپ آب دیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ آپ کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ اگر کسی صحابی نے کہا کہ یہ پیالہ جو یہاں پڑا ہے۔ وہاں ہونا چاہیئے تو اللہ تعالےٰ نے ویسے ہی کر دیا۔ جو لوگ اصحاب کرام رضوان تعالےٰ علیہم اجمعین پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ بڑے دیوس لوگ ہیں۔ اصحاب کرام تو وہ ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے۔ خدا کے قوانین بدلنے کا محرک بنے۔ اٹھائیسواں پارہ جہاں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ ایسے ہی واقعہ سے شروع ہوتا ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک صحابیؓ گھر تشریف لائے۔ کسی بات پر نزاع پیدا ہو گیا۔ چونکہ اس زمانے میں طلاق کا یہ دستور تھا کہ عورت سے علیحدگی کی صورت اگر پیدا ہو جائے تو کہہ دیتے تھے کہ "تیری پیٹھ تو میری ماں سے ملتی ہے۔" چنانچہ ان صحابیؓ سے یہ فقرہ طیش میں نکل گیا۔ اب ان کی

بی بی ان سے اس بات پر جھگڑنے لگی کہ نہ تم آسودہ حال ہو، نہ میرے والدین، تو اب تم ہی بتاؤ، تم تو یہ فقرہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے ہو۔ ان بچوں کا کیا بنے گا کہ کیسے پرورش پائیں گے۔ وہ بی بی اس پر مُصر کہ طلاق نہیں ہوئی اور وہ صحابیؓ کہیں کہ طلاق ہو گئی، تم مجھ پر حرام ہو۔ اس وقت یہ طریقہ تھا کہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی، تو وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ لیتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے۔ چنانچہ ان کے میاں اور وہ خود نمازِ فجر میں حاضر ہوئیں۔ بعد از نماز سرکارِ دو عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں معاملہ پیش کیا گیا۔ مائی صاحبہؓ آپ سے اس بارے میں عرض و معروض کر رہی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوئے۔ قد سمع اللہ، یا رسول اللہؐ، اللہ سب سن رہا ہے۔ یہ عورت جو آپ سے جھگڑ رہی ہے۔ انہیں کہہ دیں، طلاق نہیں ہوئی۔

آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ غور کریں۔ کتنی برکت والے میاں بیوی تھے کہ خداوند کریم ارشاد فرما رہے ہیں کہ میں سن رہا ہوں۔ طلاق نہیں ہوئی بلکہ یہ جاہلیت کی رسمیں تھیں۔ ان پر کفارہ لگا دیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے کفارے کے لئے غلام آزاد کرو اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میری اتنی سکت نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اچھا پھر ۲۔ ماہ لگاتار روزے رکھو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں تو پہلے ہی فاقوں کی وجہ سے بہت کمزور ہوں۔ سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ پھر صدقہ و خیرات کر دو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میرے پاس اس کے لئے بھی کچھ نہیں۔ اتنے میں آپ کی خدمت میں کسی نے کھجوریں نذرانہ پیش کیں۔ آپ نے وہی کھجوریں اسے دیں کہ انہیں مدینے کے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دو۔ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے کنبے سے زیادہ مستحق مدینے میں اور کون ہو گا۔ جس کے گھر کھانے کو نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اچھا، جاؤ اسے گھر لے جاؤ اور اپنے بال بچوں کو کھلا دو۔ تمہارا کفارہ ہو گیا۔ یہ اَن اَن پڑھ اصحاب کی شان ہے۔ جن کے صدقے طلاق کے معاملے میں اتنی آسانی ہو گئی اور ایک سخت قانون بدل گیا۔ ایک اور واقعہ ایک دوسرے صحابیؓ کا ہے۔ وہ محنت مزدوری سے گزارہ کرتے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ گھر آئے تو بیوی نے کچھ نہیں پکایا تھا کیونکہ اس وقت یہ حکم تھا کہ روزے میں عورت

کھانا۔ پکانے کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ چنانچہ روزہ کھلا۔ ان کی بیوی کھانا تیار کرنے لگی اور وہ خود ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ چونکہ اس وقت یہ بھی حکم تھا کہ اگر افطار کے بعد سو گئے تو روزہ پھر سے شروع ہو جاتا تھا۔ بیوی کھانا پکا کر لائی تو دیکھا کہ خاوند سو گیا ہے۔ انہیں اٹھایا تو پتہ چلا کہ روزہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔ انہوں نے نیت کر لی۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا۔ تیسرے دن وہ ایک یہودی کا سامان لے کر جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ وہ گرے اور بے ہوش ہو گئے۔ اس یہودی نے اونچی آواز سے کہنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں اپنے نبی کا کہنا مانو اور روزے رکھو۔ اسے لے جاؤ اپنے نبی کے پاس جو تمہیں شام اور دمشق دیتا ہے مگر کھانے کو کچھ نہیں دے سکتا۔ دربار رسالتؐ میں جب یہ اطلاع پہنچی تو اس صحابی کو بلایا۔ آپ نے اس کے گھر سے حالات معلوم کئے۔ پتہ چلا کہ وہ تین دن سے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھ رہے ہیں۔

آپ کو بہت دکھ ہوا۔ اسی رنجیدگی کی حالت میں تشریف فرما تھے کہ حکم نازل ہوا۔

"یا رسول اللہؐ اگر کوئی علاوہ مجبوری بغیر کھائے روزہ رکھے تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔"

اس واقعہ میں دو سبق ملتے ہیں۔ اوّل یہ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب اطلاع پہنچی تو آپ نے وہیں اپنی بصیرت سے نہیں فرمایا کہ اس نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا بلکہ مادی وسائل بروئے کار لائے گئے۔ آدمی بھیج کر اصل حقیقت اس صحابی کے گھر سے پوچھی گئی۔ دوم یہ کہ سرکار دوعالم رحمت اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے ان صحابہ پر سختیاں کم ہوئیں اور سرکارؐ کے صحبت یافتہ اصحاب و اہل بیت کے صدقے تمام امت پر آسانیاں ہوئیں۔ یعنی آپ کے قریبی آسانیوں کے محرک بنے۔

اس موقع پر برادرم روحانی عبدالعزیز خاں سلمہ تعالیٰ نے پوچھا۔ حضور یہ جو آٹھ پہر کا روزہ ہوتا ہے۔ یہ کیا ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور کوئی حقیقت نہیں۔ آپ نے روزے کے بارے میں مزید ارشاد فرماتے ہوئے کہا۔ کہ روزہ ہر مذہب میں ہے مگر اپنے اپنے طریقے سے۔ اسی سے بات بڑھتی بڑھتی ہندو مت کے بارے میں شروع ہو گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رام اور لکشمن دو بھائی تھے۔ ان کی سوتیلی ماں کلکی تھی۔ ایک دن رام اپنے سوتیلے بھائیوں سے جوا کھیلتے ہوئے داؤ ہارتا ہارتا سب ہار گیا۔ آخر سلطنت بھی بارہ سال کے سلئے ہار گیا۔ جب وہ سلطنت چھوڑ کر بن باس جانے لگا تو اس نے سیتا کو ایک ایسی جگہ رکھا۔ جس کو اردگرد جادو سے حصار کر دیا گیا تھا تاکہ کوئی اسے لے نہ

جائے کیونکہ وہ بڑی خوبصورت تھی۔ لنکا کا بادشاہ اس وقت راون تھا۔ وہ بڑا زیرک اور تانترک آدمی تھا۔ اس کو پتہ چلا کہ رام بارہ سال کے لئے چلا گیا ہے۔ تو وہ سیتا کو لینے آیا کیونکہ وہ اسے پسند کرتا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو سیتا نے کہا کہ اگر تو اس حصار سے آگے آئے گا تو جل جائے گا راون نے دائرے سے باہر کھڑے ہو کر ہاتھ اندر کیا اور سیتا کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور باہر لے آیا اور اسے لے گیا۔ پاکستان بننے سے پہلے اگر کسی کی بیوی کسی غیر مرد سے نازیبا حرکات کرتی پکڑی جاتی، تو ہندو کہتے تھے کہ تم تو سیتا سے بھی بڑھ گئی ہو۔

بائیسویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو آپ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تصنیف "الفقر فخری" کا درس دے رہے تھے جب ان فقرات پر پہنچے کہ "مرشد کے لئے ولی اللہ ہونا ضروری ہے۔ بے شک سچے مرشد اولیاء اللہ ہی ہو سکتے ہیں۔ پھر جب کوئی ولی اللہ مرشد مل جائے تو اس سے بیعت اور ارشاد کی تعلیم حاصل کرو اور اس کی ہدایت پر صبر اور استقلال سے عمل کرو تاکہ تم صراط مستقیم پر چل کر منزل مقصود پر پہنچ جاؤ کیونکہ اصحاب طریقت کے نزدیک انسان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک معقولات و منقولات کے محدود دائرے سے نکل کر مشہودات کے میدان میں قدم نہ رکھے اور یہ دولت بغیر مرشد و مجاہدہ کے حاصل نہیں ہوتی۔"

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ اسے سمجھے ہیں؟

میں نے عاجزی کا اظہار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیل و قال سے نکل کر حال میں آ جائے۔ یعنی جس طرح اب ہم باتیں کر رہے ہیں۔ یہ نہ ہوں بلکہ یہی باتیں مجسم شکل میں سامنے ہوں۔ اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔

اس موقع پر فقیر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور یہ جو پچھلے پیریڈ میں بیعت رضوان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی غیر موجودگی میں آپ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تو کیا کوئی شیخ کسی مرید کی غیر موجودگی میں بیعت لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بارش آپ پر برسائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کوئی شیخ کسی

کی غیر موجودگی میں اس کی بیعت نہیں لے سکتا۔ دوسرا فرد والا حیات کی بیعت نہیں لے سکتا بلکہ اسے اپنے تصرف باطنی سے فیض یاب کر سکتا ہے۔ اس کو طریقت اویسی بھی کہتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی وکالت کسی شیخ کے سامنے کرے کہ فلاں شخص آپ سے منسلک ہونا چاہتا ہے۔ اس کی ارادت قبول فرمائیں اور اسے اپنے سلسلہ طریقت میں بیعت فرمائیں تو اس صورت میں اس شیخ کو بیعت کی اجازت ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ملاقات پر تجدید بیعت کی جائے۔

جہاں تک بیعت رضوان کا تعلق ہے۔ وہ اللہ کے نبیؐ لے رہے تھے۔ جن کا ہر فعل وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ ان میں نسیان نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کیا حضور یہ جو سجدہ سہو والی حدیث ہے۔ اس بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ امت کی تعلیم کے لئے ہے۔ یاد رکھیں۔ نبی کبھی نہیں بھولتا۔ کیونکہ اگر نبی بھول گیا تو اس کی تعلیمات میں بھی کجی کی گنجائش ہے۔ سورہ والضحیٰ میں بھی اسی طرح کے تراجم لوگوں نے کئے ہیں۔ خود میرے قرآن میں بھی اسی قسم کا ترجمہ تھا، جو میں نے کاٹ دیا۔

حضرت شیخ الاسلام سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ، جو میرے شیخ مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر نور سے منور فرمائے۔ آپ ایک دفعہ اپنے ایک مرید حکیم مودود کے پاس ٹمپل روڈ گئے۔ وہاں اہل تشیع کا ایک مجتہد بھی آگیا۔ وہ آ کے بیٹھا تو حکیم صاحب نے ان کا تعارف حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کر دیا کہ یہ میرے پیشوا ہیں۔ حضرت صاحب کی سادگی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت کیا میں آپ سے قرآن میں سے کوئی سوال پوچھ سکتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ الحمد سے لے کر والناس تک، جہاں سے جی چاہے پوچھ لیں۔ انہوں نے سورۃ والضحیٰ کی یہ آیت پڑھی، وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (۹۳، ۷) اور پوچھا حضرت اس کا ترجمہ کیا ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الوہیت کے میدان میں اس قدر خود رفتہ ہو گئے کہ انہیں کسی کی پرواہ نہ رہی۔ اس لئے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو اسی حالت میں دیکھا تو اپنی طرف آپ کو راہ دی۔ وہ مجتہد آپ کا یہ ترجمہ سن کر اس قدر خوشی سے سرشار ہوا کہ اٹھا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہنے لگا۔ آپ نے سچ کہا ہے۔ چونکہ وہ ایرانی تھا۔ اس لئے اس نے اسی وقت ایک خط ایران میں اپنے

کتب میں لکھا کہ یہ ترجمہ بالکل صحیح اس آئیت پر منطبق ہوتا ہے۔

آپ پر اللہ تعالےٰ اپنا فضل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میرے ساتھ بھی ایک واقعہ اسی طرح کا پیش آیا تھا۔ میں ایک دن حضرت میراں بادشاہؒ کے مزار اقدس جو مسجد وزیرخاں کشمیری بازار کے صحن میں واقع ہے) وہاں گیا۔ دوران مراقبہ مجھے ایک پیر صاحب کی اطلاع دی گئی کہ ان کی معرفت مجھے ایک سبق ملے گا۔ وہاں سے فارغ ہو کر میں اپنی دوکان واقع اعظم کلاتھ مارکیٹ آ بیٹھا۔ میرا ایک دوست گزرا اور کہنے لگا۔ آؤ میں تمہیں اپنے پیر صاحب سے ملواؤں۔ وہ قریب ہی واقع سبحان خان لائن (جونا منڈی) میں تشریف فرما ہیں۔ گاہک کچھ کم تھے۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ وہاں پہنچ کر جب ان سے ملاقی ہوا، تو میں نے فوراً انہیں پہچان لیا کہ یہ تو وہی ہیں، جن کے متعلق مجھے دوران مراقبہ کہا گیا تھا۔ میں نے اس سبق کے بارے استفسار کیا تو انہوں نے مجھے وہ سبق بتا دیا۔ وہاں ایک شخص نے ایک نعت پڑھی۔ جس کا مطلع یہ تھا: "اے کملی والے آقا ہم کو نہ بھول جانا" یہ مصرع سن کر مجھے بڑی کرید ہوئی کہ یہ غلط کہہ رہا ہے کیونکہ ان کے ۶۰، ۷۰، مرید بھی بیٹھے تھے۔ اس لئے مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں اس کی نعت کو روک دوں تو ہو سکتا ہے کہ ان کے مرید بدتمیزی سے پیش آئیں۔ میں اس وقت مجھے حضرت قطب عالم میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کا یہ قول یاد آیا۔ جو انہوں نے مجھے نصیحت فرماتے ہوئے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بیٹا نذیر جو بات دل میں ہو، وہی زبان پر ہو اور جس بات کو دل نہ مانے، وہ نہ مانا۔ اگر مانو گے تو منافق ہو جاؤ گے اور منافق کو اللہ تعالےٰ نہیں بخشیں گے۔

چنانچہ میں نے جرأت کر کے پیر صاحب کی خدمت میں یہ کہا کہ حضرت یہ مصرع غلط ہے۔ وہ پیر صاحب اچھے نیک آدمی تھے۔ بابا حق سائیں ان کا نام تھا۔ انہوں نے نعت تو بند کروا دی مگر مجھے دلائل دینے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ میں نے عرض کی کہ حضور وہ ظلی نبی تھے مگر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰت والسلام تمام عالمین کے لئے ہیں۔ دوسرا اگر نبی کریمؐ بھول سکتے ہیں تو پھر یہ بھی امکان ہے کہ رب امتی بخشنے والے نبیؐ امت کو بخشوانا ہی بھول جائیں یا ساری امت کو بخشوا لیں مگر ہمیں بھول جائیں۔ تو پھر ہمیں سردیوں اور گرمیوں میں تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں بھی تکلیف اٹھائیں اور وہاں بھی۔ خیر بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور ان کی اصلاح

ہو گئی۔ انہوں نے نعت خواں کو کہا، جو ان کا اپنا ہی مرید تھا کہ یہ مصرعہ کاٹ اور دوبارہ کبھی نہ پڑھنا۔

تیئسویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو آپ دوران درس جب اس پیرے پر پہنچے، "بنا بریں مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے قبل حق سبحانہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے راہِ رُشد کی تعلیم حاصل کریں۔" تو آپ کی خدمت میں دعا جو نے عرض کی کہ کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے ؟

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض انہیں نبی کہتے ہیں اور بعض نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا تعلق ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ جب آپ نبی بنے تو حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کے ماتحت تھے۔ اور یہ جو بچے کو قتل کرنا اور گری دیوار بنا دینا، یا کشتی میں سوراخ کر دینا، تو اس کی وجہ علم ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کو تھا۔ اس علم کا تعلق صاحب وقت درویش سے ہوتا ہے اور یہ بڑے چوٹی کے بزرگ ہوتے ہیں مگر اتنا علم ہونے کے باوجود وہ نبوت کے ماتحت ہوتے تھے۔

اس کے بعد گفتگو کا رُخ بدلا، تو دعا جو عرض کی کہ کیا کسی شیخ کے وصال کے بعد اس کے مریدین کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں ؟

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ طریقت کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی سالک کے پیشوا وصال پا جائیں، تو اسے چاہیئے کہ وہ پیشوا کے مزار پر حاضر ہو اور مراقبہ میں ان کی طرف رجوع کرے۔ اگر اسے اس کی سمجھ نہ ہو یا وہاں سے مطلب برآری نہ ہو تو اپنے پیر بھائیوں میں دیکھے کہ کون اس سے آگے ہے اور اس کی صحبت اختیار کرے اور اگر وہاں سے بھی معاملہ حل نہ ہو تو پھر وہ کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اس موقع پر برادرم طریقت عبدالعزیز خاں سلمہ تعالےٰ نے عرض کی کہ حضور یہ

ارشاد فرمائیں کہ ولی کی پہچان کیا ہے کیونکہ ابھی آپ نے دوران درس ارشاد فرمایا ہے کہ بیعت کسی ولی اللہ سے کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہچان تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (۲۳ : ۳۹ س)

چنانچہ قرآن کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ جس کی طرف ہم رجوع کر رہے ہیں۔ اس میں یہ خصائل ہیں بھی یا نہیں۔ اس کے اعضاء و جوارح خود بخود شریعت حقہ کے تابعدار ہیں، یا وہ ایسا ہیں کچھ کہتا ہے اور خود کچھ اور کرتا ہے۔ یعنی اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ برادرم عبدالعزیز سلمہ تعالیٰ نے عرض کی کہ میں کچھ اور سمجھا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ اس میں کشف و کرامت ہو، وہ ہر آتے جاتے کے دل کی بات اس پر عیاں کر دے اور اس سے اکثر کرامات ظاہر ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں آپ پر نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ کے مورث اعلیٰ کشف و کرامات کے حق میں نہیں تھے کیونکہ ایسی باتیں کفار سے بھی ظاہر ہوتی ہیں مگر ان کے لئے اسے استدراج کا نام دیا گیا ہے۔ باقی رہا ولی ہونا تو ولی کا مطلب ہے دوست اور ولی اللہ کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ کشف و کرامات کے پیچھے لگا رہے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ پھر راستے میں ہی اٹک جائے گا کیونکہ اس وادی کا سفر بہت ہی مشکل ہے اور اس گھاٹی سے گرا ہوا درویش کبھی نہیں سنبھل سکتا۔ سیف سنت محمدیہ شمس طریقت سہروردیہ قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردیؒ (حیات گڑھ، گجرات) اللہ تعالیٰ آپ کی قبر نور سے منور فرمائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ۶۴ جگہ پر ایک وقت ایک لباس میں حاضر ہو سکتا ہوں مگر یہ ولائیت نہیں۔ ولائیت اس سے بہت آگے ہے۔ ولائیت کو، لوگوں نے بازیچۂ اطفال سمجھ رکھا ہے۔ فی زمانہ تو ہر محلے میں ایک آدھ پیر آپ کو مل جائے گا مگر ان کے پاس چند فالناموں، حُبّ و بغض کے تعویزات اور چند شجروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ مجاہدات و ریاضات کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ وہ تو وضو، اور سنتوں سے بھاگے ہوئے ہوتے ہیں۔ میرے شیخ مہتاب طریقت سہروردیہ، شہباز ولائیت

شیخ الاسلام حضرت سید قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ ' اللہ تعالیٰ آپ کی قبر نور سے منور فرمائے آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنی پتلونوں کو شکن آنا بھی گوارہ نہیں کرتے مگر چاہتے ہیں کہ ان کی جیبوں میں انوار محمدیہ ڈال دیے جائیں۔ وہ درویش کی ظاہری حالت دیکھتے ہیں مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اگر اس کی ہوا بھی اسے لگ جائے تو وہ اس کوچہ میں آنے کی کبھی جرأت بھی نہ کریں۔

چوبیسویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوا تو گفتگو طلب العلم کے متعلق ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا گیا ہے مگر روحانیت کا علم ہر ایک پر فرض نہیں، یہ صرف اس کے لئے ہے جو اس کی طلب رکھتا ہو۔ اس موقع پر برزگوارم محمد سبحان سلمہٗ تعالیٰ نے عرض کی کہ حضور گاؤں میں جو لوگ رہتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے کیونکہ وہاں کسی کو اتنا شعور نہیں کہ وہ کسی کی بیعت کر کے راہِ عرفان کی طرف گامزن ہو سکے یا وہ شریعت کی تعلیم حاصل کر کے اپنے عقیدے اور اعمال کو درست کر لے؟

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جہاں تک ایسے شخص کا تعلق ہے۔ جس تک کوئی تعلیم نہیں پہنچی۔ وہ ایک پہلو سے بری الذمہ تو ہے مگر قدرت نے ہر انسان کی ذات میں ایک شعور ایسا بھی رکھا ہے کہ وہ اگر تجسس کرے، تو اپنے ارد گرد کی شکست و ریخت سے اپنے مالکِ حقیقی کا ادراک کر سکتا ہے کیونکہ حضور نبی رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہر پیدا ہونے والا انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ جیسے ہوں، وہ ویسا بن جاتا ہے۔ یعنی فطرتاً انسان اپنے اندر حق طلبی اور حق شناسی کا مادہ لے کر پیدا ہوتا ہے مگر بعد ازاں اسے جیسا ماحول ملے، وہ اس میں

اپنے آپ کو رنگ لیتا ہے مگر جن طبیعتوں نے روحانیت کے میدان کی غواصی کرنی ہوتی ہے ان پر ماحول چنداں اثر نہیں کرتا۔ وہ صرف مالک حقیقی کے طالب ہوتے ہیں۔ کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

جیہڑے ٹھل دریجن موڑن او کی کر
نیئں چھڈدا شوق دیدار دا اسے

یہ شعر سناتے ہوئے آپ آب دیدہ ہوگئے اور کچھ لمحے خاموش رہ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ رہا آپ کا یہ سوال، جو گاؤں کے رہنے والوں سے متعلق ہے تو ان کے ذرائع کے مطابق ہی ان پر قیود لاگو کی گئی ہیں۔ گو وہ شہر کے رہنے والوں سے بہت زیادہ جفاکش ہوتے ہیں مگر ایمانی لحاظ سے وہ شہر والوں سے کم درجے پر ہیں کیونکہ یہاں شہر میں رہتے ہوئے ہمارے چاروں طرف عالم ہیں۔ کسی مسئلے کو سمجھنا ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھا جا سکتا ہے ورنہ قریبی عالم کے پاس جا کر تصحیح کی جا سکتی ہے مگر گاؤں کا کوئی آدمی جمعہ پڑھنے آیا تو مسئلہ سنا اور ہفتہ بھر اس پر اسی طرح عمل کرے گا جس طرح اسے سمجھ آئی ہے۔ اس لئے ان پر اتنی قیود نہیں۔ باقی رہا مسئلہ بیعت کا، تو آپ یہ فرمائیں اگر کسی گاؤں میں گندہ پانی ہو اور ساتھ والے گاؤں میں صاف پانی ہو تو کیا وہاں کے باسی وہی گندہ پانی پئیں گے یا صاف؟

بزرگوارم محمد سبحان نے کہا کہ صاف، تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسی طرح سچائی کی تلاش کا جذبہ اگر صادق ہو تو بغیر کسی کے بتائے یہ راستہ بھی مل جاتا ہے۔

اس کے بعد گفتگو کا موضوع گاؤں کی معاشرت کی طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے فضل و کرم فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیکو فیکٹری کا مالک میاں لطیف اکثر قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ گجرات سے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے تو وہاں سے خط آیا کہ مال افسر آیا تھا اور وہ زمین کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ میاں لطیف نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ حضور! مجھے آپ اجازت دیں۔ میں کچھ دیر بعد حاضر ہوتا ہوں۔ وہ میاں

دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے والد نواب احمد یار کے پاس گیا اور اس سے مال افسر کے نام چھٹی لکھوالایا۔ (اس کے میاں دولتانہ وغیرہ سے بہت اچھے تعلقات تھے) اور کہا کہ اگر مال افسر آئے، تو اسے یہ خط دے دیجئے گا۔ حضرت قبلہ قدس سرہٗ گاؤں تشریف لے گئے مگر دو تین ماہ وہ نہ آیا۔ آپ نے وہ چھٹی رکھ چھوڑی۔ انہی دنوں آپ پھر لاہور تشریف لائے۔ کچھ دنوں بعد گاؤں سے پھر اسی طرح کا خط آیا کہ مال افسر بہت تنگ کرتا ہے۔ حسن اتفاق کہ میاں لطیف پھر آپ ہی کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ حضور کیا آپ نے اسے چھٹی نہیں دی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ وہ پھر اجازت لے کر گیا اور ایک اور چھٹی لکھوالایا اور کہنے لگا۔ آپ مال افسر کو یہ چھٹی دے دیجئے گا۔ وہ گاؤں کا رُخ نہیں کرے گا۔ کچھ دنوں بعد پھر قطب عالم'' گاؤں چلے گئے۔ کوئی ڈیڑھ ماہ بعد مال افسر آیا اور آکر بڑا گرم سرد ہونے لگا کہ کاغذات دکھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ زمین میرے دادا کے والد نے خریدی تھی۔ پتہ نہیں اس کے کاغذات اب کہاں ہوں گے۔ مال افسر بگڑنے لگا مگر اللہ کو اس کی اصلاح مقصود تھی۔ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے باتیں کرتے ہوئے اسے فرمایا۔ اچھا ایسا کرو کہ بعد میں آکر مجھ سے سوالات کرنا، پہلے جاکر اپنی بیوی کو سنبھالو، وہ آگ میں جلنے والی ہے اور ہاں جاتے ہوئے پنساری سے یہ کچھ چیزیں خرید لینا اور اسے پلا دینا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور گھر پہنچا، تو واقع ہی اس کی بیوی جلتے جلتے بچی تھی۔ اس نے کہا کہ میں چولہے کے قریب کام کر رہی تھی کہ اچانک میری چادر کے پلو کو آگ لگ گئی۔ ایک باباجی آئے اور انہوں نے مجھے خبردار کیا۔ اور آگ بجھائی ورنہ آج میں تو مر جاتی۔

مال افسر نے جب روداد سنی تو کہا کہ ایک باباجی کے پاس میں ابھی بیٹھا تھا کہ انہوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ جلدی سے گھر جاؤ۔ تمہاری بیوی جلنے والی ہے۔ اس کی بیوی نے آپ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ دونوں میاں بیوی گاڑی میں بیٹھ کر حیات گڑھ آپ کے گاؤں آپہنچے۔ مال افسر کی بیوی نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہاں یہی باباجی ہیں جنہوں نے آج میری جان بچائی ہے۔ وہ سلام کر کے آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے تو آپ نے مال افسر کی بیوی کو پوچھا کہ یہ درد تمہیں پہلے بھی کبھی ہوا ہے، تو اس نے کہا کہ ہاں میری والدہ کہتی

تھیں کہ بچپن میں مجھے یہ درد ہوا تھا۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ وہ کام کر رہی تھی کہ درد کی شدت سے وہ چولہے کے قریب ہی گر گئی۔ جس سے اس کی چادر کا ایک پلو چولہے پر گرا اور اس نے آگ پکڑ لی، جو غریب نواز حضرت قطب عالم قدس سرہٗ العزیز نے اپنے تصرف باطنی سے بجھا دی۔

آپ نے اسے اس درد کا معمولی سا علاج بتایا۔ جس کے استعمال سے وہ تندرست ہو گئی۔ پھر تو مال افسر آپ کا بہت گرویدہ ہو گیا اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔ آپ کے وصال کے کوئی تین یا چار سال بعد میں ایک دفعہ حیات گڑھ گیا اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی محمد صالحؒ کے پاس بیٹھا تھا، تو آپ نے مجھے فرمایا کہ وہی مال افسر آتا ہے اور کہتا ہے کہ سڑک کے قریب میں آپ کو جگہ دے دیتا ہوں۔ آپ میاں صاحب قدس سرہٗ کا جسدِ اطہر یہاں سے لیجا کر وہاں دفن کر دیں کیونکہ زائرین کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے مولوی صالح سے کہا کہ آپ مال افسر سے لکھوا دیں۔ ہم حضرت قبلہ کو لاہور لے جاتے ہیں۔ میں یہ کہہ کر لاہور آگیا۔ بعد میں مولوی صالحؒ نے شیخ الاسلام قدس سرہٗ کو خط لکھا کہ نذیر آیا تھا اور یہ کہہ گیا ہے کہ مال افسر سے لکھوا دیں۔ ہم میاں صاحبؒ کو لاہور لے جاتے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی قبر نور سے منور فرمائے۔ آپ نے مجھے پوچھا کہ تم یہ کہہ آئے ہو میں نے عرض کی کہ جی ہاں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا یہ اچھی بات نہیں۔ یہ حق صرف آپ کی اولاد کا ہی ہے۔ اس لئے آپ ایسا نہ کریں۔ وہ جگہ آپ نے خود پسند کی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی بات کو مزید بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ قطب عالم قدس سرہٗ نے پہلے وہ جگہ اپنی اولاد میں تقسیم فرما دی اور بعد ازاں چند کنال جگہ ان سے رقم دے کر خریدی اور آجکل اسی جگہ آپ کا مزار اقدس واقع ہے۔

اس موقع پر بزرگوارم محمد سبحان صاحب نے کہا کہ مال افسر کی طرح دیہات میں پٹواری کی بہت عزت و تکریم ہوتی ہے۔ اگر کسی جگہ کے متعلق وہ بغیر بارش برسے لکھ دے کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت بارش ہوئی تو اسے ہائیکورٹ بھی چیلنج نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حکومت برطانیہ کے وقت سر سکندر حیات کی بہت عزت تھی۔ وہ جب وائسرائے کو ملنے

جاتا تو وائسرائے اسے کھڑا ہو کر ملتا۔ دوسری جنگ عظیم میں جب اس کا چھوٹا بیٹا میجر عصمت حیات نازی فوج کا قیدی ہو گیا تو تقریباً ایک سَو نازی قیدی اس کے بدلے حکومت برطانیہ کو چھوڑنے پڑے۔ سکندر حیات سے لوگوں نے جب پٹواریوں کے متعلق شکایات کیں تو اس نے کہا کہ میں خود ان کے آگے بے بس ہوں۔ یہ تو میری زمینوں کا پانی کاٹ کر دوسروں کو دے دیتے ہیں میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

اسی طرح ایک دفعہ عید کے موقع پر پٹواری نے آکر ممتاز دولتانہ کو سلام کیا اور کچھ مطالبہ کیا تو میاں دولتانہ نے اسے برا بھلا کہہ کر چلتا کیا۔ وہ چلا گیا اور ہر سال ان کی بنجر زمین پر فصل ڈالتا گیا۔ کئی سال گزر گئے۔ ایک دن انہیں چٹھی ملی کہ آبیانہ جمع کروائیں، جواب کافی ہو چکا تھا۔ میاں دولتانہ کے والد نے جب یہ پڑھا، تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ پٹواری کبھی تمہارے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا کہ کئی سال ہوئے آیا تھا اور میں نے اسے جھڑکیاں دے کر بھگا دیا تھا۔ اس کے والد نے کہا۔ بس اسی کا خمیازہ اب بھگتو۔ یہ جس زمین کے متعلق چٹھی آئی ہے۔ کبھی ہم نے اس پر فصل تک نہیں بوئی، تو کاٹنی کہاں سے تھی۔ چنانچہ پٹواری کو بلا کر پہلے کی طرح اسے راضی خوشی کیا حالانکہ وہ خود وزیر داخلہ لگا ہوا تھا۔

پچیسویں مجلس

"حضرت عبدالخالق دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کو چاہیئے توفیقِ خدا کے ماتحت بڑوں سے ملے اور چھوٹوں کی ملاقات کا خواہشمند نہ ہو، یعنی عمر رسیدہ افراد سے موانست کرے اور

امرد بچوں سے مجتنب رہے۔ بعض درویش جو اس کو ملّت مشائخی کہہ کر ایسے کرتے ہیں، یہ ان کی ذِلّت وحماقت اور کم عقلی کی دلیل ہے"۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

جو درویش نابالغ لڑکوں کو پیار کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم اللہ کا نور ان میں دیکھتے ہیں، اُن سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا چھوٹے لڑکوں کے ہی منہ پر اللہ کا نور آسکتا ہے؟ بڑوں پر نہیں؟

آپ نے فرمایا:

حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز نے بھی نوعمر لڑکوں کو سامنے بٹھا کر سبق نہیں پڑھایا بلکہ پیچھے بٹھا کر سبق پڑھاتے تھے تاکہ خیالات میں

انتشار ہی پیدا نہ ہو۔

زنا کئی اقسام کا ہے۔ یعنی ایک تو زنا کرنا ہوا۔ دوسرا دیکھنا، یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اسی طرح گفتگو کرنا اور باہم آپس میں میل ملاپ رکھنا وغیرہ بھی زنا کی اقسام میں سے ہے، تو جو یہ طریقے اپناتے ہیں وہ کبھی درویش نہیں ہوسکتے۔ ایسے لوگوں نے ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ وہ کبھی سبز پگڑی باندھ لیتے ہیں، کبھی ختم پڑھا دیتے ہیں اور اس بہانے اپنے نفس کی تسکین کرتے رہتے ہیں۔ آپ خیال کریں کہ نوعمر لڑکوں سے اتنا پرہیز ہے چہ جائیکہ کوئی عورتوں کے قریب ہو۔

چھبیسویں مجلس

قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ممدوح دورانِ درس جب شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تصنیف "الفقر فخری" کی اس عبارت پر پہنچے جو مرید کی صفات کے بارے میں تھی کہ:

"زہد رکھتا ہو تاکہ دنیا وما فیہا سے کنارہ کشی کرتے ہوئے مطلب کی طلب میں سرگرم ہو۔"

تو آپ سے برادر عبدالعزیز دام ورعہ نے دریافت کیا کہ جب مرید دنیا وما فیہا سے کنارہ کش ہوگا تو طلبِ رزقِ حلال کس وقت کرے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

دنیا وما فیہا سے کنارہ کشی سے مراد یہ ہے کہ رنگ رلیوں میں وقت نہ گنوائے۔ رزقِ حلال کی طلب کے لیے شریعت نے اجازت دی ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ ٹی وی، وی سی آر، ناچ گانے وغیرہ بھی ہوں اور درویشی بھی ہو۔

قرآن فرماتا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً" ۝

اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔

البقرۃ: ۲۰۸

★ میر محمود حسین

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

پروفیسر نورالحسن انصاری سے متعلق کچھ یادیں

فارسی کے عظیم دانشور پروفیسر نورالحسن انصاری کی وفات سے ہندوستان میں فارسی کو جو نقصان ہوا ہے ۔ شاید اس کی تلافی نہ ہو سکے گی ۔ انتقال سے چند ہی ماہ قبل آپ محکمہ آثارِ قدیمہ کے کسی جلسے میں شرکت کے لئے بنگلور تشریف لائے تھے تو مجھے شرف نیاز بخشنے کے لئے میسور بھی آئے اور دو تین دن میرے مہمان رہے ۔ کسے خبر تھی کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی۔ اور چند ہی مہینوں کے بعد مجھے آپ کی وفات کی خبر سننی پڑے گی ۔ باوجود ناسازی مزاج کے اس موقع پر بھی آپ نے اپنی خوش طبعی کو برقرار رکھا اور علمی مسائل پر ذوق و شوق سے گفتگو کرتے رہے جو آپ کی قدیم عادت تھی ۔

اورنگ زیب کے عہد میں فارسی ادب پر آپ کے تحقیقی مقالے سے میں بہت متاثر ہوا تھا اور آپ سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی تھی ۔ ۱۹۸۱ء میں جامع میسور کے ایک ریسرچ سکالر نے میر حسین علی کرمانی کی تذکرۃ البلاد و الحکام کو ترتیب دیا اور انگریزی میں ترجمہ کیا ۔ اور اسے پی ایچ ڈی کے لئے پیش کیا ، تو اس کے ایک ممتحن آپ مامور ہوتے تھے ۔ یہ کام میری نگرانی میں ہوا تھا اور میں امتحانی بورڈ کا صدر تھا ۔ ممتحنوں کے نام قاعدے کے مطابق مجھ سے خفیہ رکھے گئے تھے ۔ مجھے آپ کے تقرر کی کوئی خبر نہیں تھی ۔ آپ کی رپورٹ جب مجھے موصول ہوئی ۔ تو مجھے بے انتہا مسرت ہوئی کہ آپ سے ملاقات کا موقع نکل آیا ۔ چنانچہ میں نے بہت جلد میسور میں امتحانی بورڈ کا اجلاس مقرر کیا اور آپ کو دعوت نامہ بھیجا ۔ اس موقع پر آپ اپنی

★ وظیفہ یاب استاد فارسی ، جامعہ میسور ،
ڈائریکٹر ٹیپو سلطان ریسرچ انسٹیٹیوٹ اینڈ میوزیم ،

اہلیہ محترمہ اور بچی کے ساتھ میسور تشریف لائے اور تین چار دن یہاں قیام فرمایا۔ امتحانی بورڈ کے اجلاس میں آپ نے پی ایچ ڈی کے کام پر جو تبصرہ فرمایا اور امیدوار کو جو مزید ہدایات دیں، ان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آپ ہی کا کارنامہ ہے۔

قدیم ریاست میسور میں، جو آزادیٔ ہند کے بعد صوبہ کرناٹک میں مدغم ہو چکی ہے۔ فارسی زبان و ادب کا بازار گرم رہا۔ پہلے یہاں کے راجہ دہلی، گلبرگہ، بیجاپور، گولکنڈہ، مدراس پونا وغیرہ کے درباروں سے اسی زبان میں مراسلت کرتے تھے۔ پھر ٹیپو سلطان شہید کے عہد میں، یعنی ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۹ء تک، فارسی سرکاری اور درباری زبان بن گئی۔ خود سلطان شہید نے اور آپ کے دربار کے منشیوں، ادیبوں اور شاعروں نے فارسی میں تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کی۔ ریاست کے مختلف مقامات میں بھی یہ کام ہوا۔ سلطان شہید کے ہزاروں خطوط فارسی میں موجود ہیں۔ آپ کی شہادت اور آپ کی سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد بھی فارسی چلن اسی طرح جاری رہا۔ یہاں تک کہ انگریزی نے اس کی جگہ لے لی۔ ریاست کی عام زبان کنڈ پر فارسی کا گہرا اثر ہوا۔ ہزاروں الفاظ، مرکبات اور اصطلاحات کنڈ میں داخل ہو گئے اور آج بھی اس زبان کا جزو لاینفک بنے ہوئے ہیں۔ میر حسین علی کرمانی ٹیپو سلطان شہیدؒ اور ان کے والد نواب حیدر علی خاں بہادر کے دربار سے متعلق رہے۔ سلطان کی شہادت کے بعد آپ میکنزی کے فارسی منشی بن گئے۔ میکنزی نے جنوبی ہند کے مخطوطات، کتبے، دستاویزات وغیرہ جمع کئے تو آپ نے ان سے فائدہ اٹھا کر کرناٹک کی تاریخ تذکرۃ البلاد والحکام کے نام سے لکھی جو اس صوبے کی قدیم ترین اور اولین تاریخ ہے۔ اس کے بعد آپ نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی تاریخ نشان حیدری لکھی۔ یہ تاریخ بنگلور اور بمبئی سے دو مرتبہ شائع ہوئی اور انگریزی اور اردو میں ترجمے بھی شائع ہوئے لیکن تذکرۃ البلاد والحکام قریباً دو صدیوں سے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی۔ ہم برٹش میوزیم اور حیدرآباد کے کتب خانوں سے اس کے مخطوطہ نسخوں کے زیراکس منگوا لئے اور ایک ریسرچ اسکالر نے میری زیر نگرانی اسے ایڈٹ کیا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا۔ پروفیسر انصاری نے اس کام کو بہت پسند کیا اور وعدہ کیا کہ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن یا کسی اور ادارے کی مدد سے اسے طبع کرانے کی کوشش فرمائیں گے۔ ریاست میسور میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ سے آپ نے بڑے ذوق کا اظہار فرمایا۔ ریاست کے مختلف مقامات پر جو سینکڑوں کتبے لگے ہیں۔ ان کی نقلیں میں نے دکھائیں تو انہوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ اس دور دراز علاقے میں بھی

فارسی کا اتنا رواج رہا ہے۔ میسور سے بارہ میل پر واقع کرشنا راج، ساگر ڈیم اور برنداون باغوں کی آپ نے سیر کی۔ یہ عالمی سیرگاہ ہے اور اس بند کی بنیاد ٹیپو سلطان نے رکھی تھی۔ ان کا سنگین کتبہ، جو فارسی میں ہے۔ آج بھی اس کے صدر دروازے میں نصب ہے۔ انصاری صاحب نے اسے نقل کر لیا۔

جامع میسور کے اورنٹیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں جو سینکڑوں فارسی مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان پر پروفیسر انصاری نے سرسری نظر ڈالی اور مجھے مشورہ دیا کہ ان کی وضاحتی فہرست مرتب کروں۔ چنانچہ میری مرتب کی ہوئی فہرست آپ نے چند سال بعد انجمن فارسی دہلی سے کتابی شکل میں شائع فرما دی۔ پروفیسر صاحب نے میسور سے دس میل پر واقع سری رنگ پٹن میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہیدؒ کے مقبرے، سرکاری میوزیم، قلعے وغیرہ کی سیر کی اور تجویز کی کہ عہد سلطانی کے مخطوطات جمع کئے جائیں۔ چنانچہ آپ کی اس تجویز کو میں نے ٹیپو سلطان ریسرچ انسٹیٹیوٹ اینڈ میوزیم کی شکل میں عملی جامہ پہنایا جو سلطانی مقبرے سے ملحق عمارت میں قائم ہے اور جہاں سے سالنامہ ' سلطان ' پانچ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے۔ اس کی تحریک پروفیسر انصاری صاحب نے کی تھی۔

۱۹۸۲ء کے آخر میں انجمن اساتذۂ فارسی ہند کی سالانہ کانفرنس گجرات یونیورسٹی احمد آباد میں منعقد ہوئی تو پروفیسر عابد صاحب صدر اور پروفیسر انصاری صاحب، سکرٹری اور دیگر مجلس منتظر کے دانشور اراکین نے مجھے " استاد ممتاز فارسی " کی سند عطا فرمائی اور اعزاز بخشا۔ یہ انصاری صاحب سے میری دوسری ملاقات تھی۔ ہندوستان کی مختلف جامعات کے فارسی کے پروفیسر، لیکچرر، ریسرچ سکالر اور دانشور حضرات بڑی بھاری تعداد میں جمع ہوئے تھے اور ایران سے بھی کچھ دانشور آئے تھے۔ میں نے علماء و فضلاء کا ایسا عظیم اجتماع کبھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ متعدد علمی کانفرنسوں میں شریک ہوا ہوں۔ پروفیسر انصاری اس کانفرنس کے روح رواں تھے۔ دوسری علمی کانفرنسوں کے مقابلے میں یہ بڑی عظیم اور کامیاب کانفرنس تھی اور یہ سب پروفیسر انصاری صاحب کے ذوق و شوق اور جوش و خروش کا فیض تھا۔

تین دن چھ اجلاس ہوئے اور ہر اجلاس میں نہایت ہی بلند پایہ تحقیقی مقالے انگریزی، فارسی اور اردو میں پڑھے گئے اور بڑے ذوق و شوق سے سنے گئے۔ پروفیسر صاحب نے ایسی پابندی اور تندہی سے اجلاسوں کا انتظام اور انعقاد کیا کہ مقررہ اوقات میں سے چند لمحے بھی ضائع نہیں ہوئے

اس کانفرنس میں انصاری صاحب نے دو چار تقریریں نہایت ہی فصیح و بلیغ فارسی میں کیں اور اپنی خطابت کا سکہ بٹھا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایران جدید کا کوئی صف اول کا دانشور ہے جو بڑی روانی کے ساتھ معیاری فارسی بولنے کا حق ادا کر رہا ہے۔ فارسی زبان پر آپ کی قدرت اور ادبیات فارسی پر عبور حاضرین کو محوِ حیرت کر رہا تھا۔

پھر دو تین سال بعد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں انجمن کی سالانہ کانفرنس ہوئی تو پروفیسر صاحب کے انہماک کا وہی عالم تھا۔ یہاں بھی آپ نے فارسی میں تقریریں کیں اور اپنی سحر بیانی کا مظاہرہ کیا۔ یہ میری آپ سے تیسری ملاقات تھی۔ اس موقع پر بھی آپ نے مجھے پر زور مشورہ دیا کہ نادر مخطوطات اور قدیم مطبوعات کو جمع کر کے محفوظ کر دوں تاکہ وہ ناپید نہ ہو جائیں۔

چوتھی ملاقات یوں ہوئی کہ وفات سے چند سال قبل آپ آثار قدیمہ کے دفتر بنگلور میں کسی کمیٹی کے جلسے کے لئے تشریف لائے تو ڈاکٹر صدیقی صاحب، ڈائریکٹر آثار قدیمہ، دہلی کے ساتھ مجھ سے ملنے کے لئے میسور بھی تشریف لائے۔ تین دن میرے مہمان رہے۔ آپ کی تحریک و تشویق سے قائم کیا ہوا ٹیپو سلطان ریسرچ انسٹیٹیوٹ اینڈ میوزیم تفصیل سے دیکھا اور مخطوطات مطبوعات، دستاویزات، مکاتیب، تصاویر اور تاریخی نوادر وغیرہ کا معائنہ کر کے بہت مسرور ہوئے۔ آپ کے اس قیام کے دوران میں نے آپ سے ہندوستانی تاریخ ادب، جو فارسی میں لکھا گیا ہے، ایران کی دورِ حاضر کی فارسی، ایرانی لہجہ اور تلفظ وغیرہ کے بارے میں آپ سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کیں اور کافی استفادہ کیا۔

پروفیسر نورالحسن انصاری فارسی زبان و ادب کا جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا مجسمہ تھے، ایک مزاج، ایک عالم اور ایک عہد تھے۔ ایک شریف انسان کی حیثیت سے آپ کی شخصیت بہت بلند تھی۔ چند سال سے گردن کی شکایت نے انہیں مجبور کر رکھا تھا ورنہ آپ اور بہت سے تحقیقی اور تصنیفی کام کر پاتے۔ تاہم آپ نے جو خدمت فارسی زبان و ادب کی کی ہے، وہ رہتی دنیا تک آپ کی یاد دلاتی رہے گی۔ خدائے تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنی رحمت سے نوازے۔

دگر دانای راز آید کہ ناید

★ سیّد اویس علی سہروردی

کتابوں پر نقد و نظر

مصنفین و ناشرین ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں

★ العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کا موضوعاتی جائزہ (اردو)

جائزہ نگار : پروفیسر مجید اللہ قادری۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔ ۴۰ + ۴۴ ص، ۱۹۸۸ء، ۱۰ روپے۔

★ تمہید ایمان (TAMHEED - E - IMAN) (انگریزی)

مترجم : پروفیسر غیاث الدین قریشی (برطانیہ)

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۴۶ + ۴۴ ص، ۱۹۸۸ء۔

★ بیان المیلاد النبوی (اردو)

مصنف : محدث ابن جوزیؒ (۵۱۱ھ - ۵۹۷ھ)

مترجم : مفتی غلام معین الدین نعیمی (۱۹۲۳ء - ۱۹۷۱ء)

ادارہ معارف نعمانیہ، ۱۵۵ - شاد باغ لاہور۔ ۴۴ ص، ۱۹۸۸ء، مفت تقسیم کے لئے۔

★ مجددیہ ختم حضرت شاہ صاحب سید میر جان کابلی المعروف بہ ختم زیارت شریف حضرت ایشاں بخاریؒ۔

مرتبہ : منشی اللہ بخش گورنمنٹ پنشنر (۱۳۴۵ھ)

میاں بدر اخلاق، ۳۲۳ - شاد باغ لاہور۔

★ فیضانِ نورؒ

مؤلف : میاں اخلاق احمد (مرحوم و مغفور)

انجمن غلامانِ اولیاء اللہ، کوٹ ادو۔ ضلع مظفر گڑھ، ۸۰ ص، ۱۹۸۶، ۱۰/۵۰ روپے۔

★ کتاب شناسی ۔ ۲

زیر ادارت : سید عارف نوشاہی، سید گوہر نوشاہی۔

ادارہ معارف نوشاہیہ، ۶۹۔ ماڈل ٹاؤن ہمک، سہالہ روڈ اسلام آباد، ۲۴۸+۴۰ ص، ۱۹۸۸ء

۷۰ روپے۔

کتاب شناسی کے موضوع پر اپنی طرز کا پاکستان کا واحد مجلہ ہے۔ اس موضوع پر لکھنے اور پڑھنے والے کم لوگ ہیں۔ حالانکہ اہل علم اور اہل تحقیق کے لئے یہ موضوع بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ تحقیقی اداروں کو اس موضوع پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ مقالات کی ترتیب یوں ہے۔

ثلاثۂ غسالہ (بہرۂ فارسی) : باہتمام عارف نوشاہی۔ ہندوستانی فارسی میں تلفظ اور املا کے بعض مسائل۔ (تدوین کے نقطۂ نظر سے) : رشید حسن خان، تاریخ قصور کے ماخذ : محمد اقبال مجددی دیوان غالب نسخۂ حمیدیہ کی تدوین نو (تسوید سے طباعت تک) ڈاکٹر گوہر نوشاہی، کتابت کے لوازم (بیاض خوشبوئی سے ایک اقتباس)، کبیر کا الف نامہ، ڈاکٹر انصار اللہ۔

★ آفتاب گولڑہ اور فتنۂ مرزائیت (اردو)

مرتبہ : حاجی نواب دین چشتی گولڑوی۔

مکتبہ غوثیہ ۱۶/ا شمس سٹریٹ سعدی پارک مزنگ لاہور، ۲۲۴ ص، ۱۹۸۶ء، ۲۰ روپے

★ سالارِ مجاہدین (فارسی)

تہیہ و ترتیب : ادارۂ آرشیف جبھہ ملی نجات افغانستان۔

۱۲۸ + ۲۴ ص، ۱۹۸۸ء۔

★ دانش۔ شمارہ ۱۵ (فارسی۔ اردو)

ویژہ نامۂ حافظ شیرازی۔

مدیر مجلہ : سید عارف نوشاہی۔

مدیر افتخاری : ڈاکٹر سید علی رضا نقوی ۔
رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران ، ۲۶۴ ص ، نومبر ۱۹۸۸ء ۔ مجلہ دانش فارسی ادبیات سے متعلقہ مقالات شائع کرتا ہے ۔ خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی کے چھ سو سالہ یوم وفات پر کلچرل قونصلر سفارت جمہوری اسلامی ایران اسلام آباد اور یونیسکو کے زیر اہتمام لاہور میں دو روزہ بین الاقوامی حافظ سیمینار منعقد ہوا ۔ دانش کی خصوصی اشاعت اسی مناسبت سے تھی ۔ مقالات کی ترتیب یوں ہے ۔
قرآن و حافظ ، دکتر علوی مقدم ، نخستین شرح فارسی دیوان حافظ در شبہ قارہ " مرج البحرین " تالیف ختمی لاہوری عارف نوشاہی ، سر رواج و امتیاز حافظ ، دکتر محمد صدیق شبلی ، ترک شیرازی از دیدگاہ دانشوران ایران ۔ دکتر محمد ظفر خاں ، تاثیر خواجہ حافظ در ہنر و اندیشہ علامہ اقبال ، دکتر محمد ریاض ، احوال و آثار عبدی قیصر شاہی ، مترجم دیوان حافظ ، دکتر وحید قریشی ، بدر الشروح از مولانا بدر الدین ، دکتر ساجد اللہ تفہیمی ، لبراسی و معرفی " بحر فراستہ اللدفظ فی شرح دیوان خواجہ حافظ " دکتر مہر نور محمد خاں ، حافظ شیرازی بعنوان مروج اخلاق ، دکتر صابر آفاقی ۔

* فیض شمارہ ٦

مدیر ، قاضی محمد حمید فضلی
ادارہ فیوضات مجددیہ ، خانقاہ فضلیہ شیر گڑھ ، تحصیل و ضلع مانسہرہ ، ۲۴ ص ، ۱۹۸۸ء ، ۵ روپے

* معارفِ رضا ، شمارہ ہشتم (اردو انگریزی)

مجلس ادارت : سید ریاست علی قادری ، وجاہت رسول قادری ، پروفیسر مجید اللہ قادری
منظور حسین جیلانی ۔
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ، ۲۳۴/۷ ، تیسری منزل نشیمن بلڈنگ ، اسٹریچن روڈ ، کراچی ۔
۲۵۶ ص ، ۱۹۸۸ء

* دختر ملت

مؤلف : شیخ الاسلام حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہ ۔
مترجم : انور حسین

ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامیہ ۔ لاہور ۔

★ اقبال ریویو (انگریزی)

مدیران ، پروفیسر محمد منور، محمد سہیل عمر ۔

اقبال اکیڈمی، ۱۳۹ ۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور، ۲۶۰ ص، اپریل ۔جون ۱۹۸۸ء، ۲۰ روپے ۔

★ اقبالیات (اردو)

پچاسویں برسی کے موقع پر خاص اشاعت ۔

مدیران ، پروفیسر محمد منور، سہیل عمر ۔

اقبال اکیڈمی، لاہور، ۴۸۴ ص، جنوری ۔ مارچ ۱۹۸۸ء ، ۵۰ روپے ۔

مقالات کی ترتیب یوں ہے ۔

مکتوب اقبال بنام جناح ، اقبال کی چند نایاب تحریریں، فلسفۂ اقبال کی حیات آموز ماہیت ، ترکی میں مطالعۂ اقبال، علامہ اقبال، اتحاد عالم اسلامی کے داعی، اقبال اور شاہ ولی اللہ، مولانا صلاح الدین احمد اور اقبالیات ، اقبال اور لمعہ حیدر آبادی ، اقبال، احسان دانش کی نظر میں ، علامہ اقبال کے احباب، آفتاب (ترجمہ گایتری) اقبال اور گجرات ، اسلامی کونیاتی وجدان میں زمان حادث اور تصور لا متناہیت ، ایرانی علم و ادب میں تصوف اور فلسفے کا باہمی تعلق ، اقبال کا تصور حیات و موت ، علامہ اقبال اور اصول حرکت ، فکر اقبال کا ابتدائی ثروت خیز دور، فلسفۂ اقبال کے ماخذ و مصادر ۔

★ مسلکِ شیر ربانی (اُردو)

ترتیب : خلیل احمد رانا ۔

نعمان اکادمی ، جہانیاں منڈی (خانیوال)، ۴۶ ص، ۱۴۰۹ھ، ۱۹۸۸ء ۔

۲۔ روپے کے ڈاک ٹکٹ روانہ فرما کر مفت حاصل کریں ۔

★ از گلستانِ عجم (اردو)

با کاروان حلہ "تالیف ڈاکٹر عبد الحسین زریں کوب کا اردو ترجمہ و تنقید ۔

مترجمین ، ڈاکٹر مہر نور محمد خان ، ڈاکٹر کلثوم فاطمہ سید ۔

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۲ + ۵۲۳ ص، ۱۹۸۵ء، ۱۲۰ روپے

ادب کی تاریخ ہو یا شعراء کا تذکرہ، تصنیف و تالیف کی قدیم روایت یہ رہی ہے کہ ادیب یا شاعر کے حالات زندگی لکھو۔ اس کی تصانیف کے نام گنواؤ، نمونہ کلام درج کرو اور آگے بڑھ جاؤ۔ برصغیر میں اس روایت سے انحراف آرزو شاہجہان آبادی (م ۱۱۶۹ھ) اور آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) کے تذکروں (مجمع النفائس، خزانہ عامرہ، سرو آزاد) میں ملتا ہے۔ اسے انحراف کہ لیں یا نئی طرح ڈالنا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرزو اور آزاد کے حوالے سے شعر پر تنقید میں کئی کتابیں (مثلاً داد سخن، کارنامہ و سراج منیر، چہار صد ایراد بر کلام آزاد، تحقیق السداد فی مدلة الآزاد تادیب الزندیق فی تکذیب الصدیق) ہمارے ذخیرۂ ادب میں شامل ہو گئیں۔

ایران میں بھی تذکرہ نویسی کی روایت کوئی مختلف نہیں رہی تا آنکہ ایران کے معاصر ادیب اور نقاد ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب استاد دانش گاہ تہران کو یہ کہنا پڑا کہ ہمارے محققوں نے قابل تحسین اور حیرت انگیز حوصلے کے ساتھ ماضی کے اکثر شاعروں کے بارے میں اپنی بات کہہ ڈالی ہے۔ اب نقادوں کی باری ہے کہ وہ کھرے کو کھوٹے سے الگ کریں۔

نقاد یہ کام کس طرح انجام دے؟ استاد زرین کوب نے اس کا جواب یوں دیا ہے:
حافظ شیرازی کے احوال و آثار پر تحقیق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ فارس کا تاریخ و جغرافیہ آغاز اسلام سے کھنگالا جائے۔ البتہ حافظ کے زمانے کے حوادث و واقعات پر تحقیق حافظ کے اشعار (جن میں ان واقعات کی طرف اشارہ ہوا ہے) کو سمجھنا ضرور آسان بنا دے گا۔ نکتہ یہی ہے کہ ایک نقاد کو کسی شاعر پر بحث کرتے ہوئے کتنا دور نکل جانا چاہیئے کیونکہ ہر مقام پر کافی نہیں کہ لکھنے والا یہ جانتا ہو کہ اسے کیا لکھنا ہے بلکہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں خاص طور پر لکھنے والے کو یہ جاننا چاہیئے کہ اسے کیا نہیں لکھنا۔ درحقیقت یہی وہ مقام ہے۔ جہاں ایک حقیقی نقاد اور محقق کے ذوق و فہم کا پتہ چلتا ہے اور اس جگہ پر اکثر سخت جان لکھنے والے بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

استاد زرین کوب نے تنقید کے اسی اصول اور سانچے کے مطابق اپنی کتاب " باکاروان حلہ "

لکھی ہے۔ اس میں فارسی شعر کی تاریخ کے بیس نامور ترین شعرا۔ (رودکی، فردوسی، فرخی، منوچہری، ناصر خسرو، مسعود سعد، خیام، سنائی، انوری، خاقانی، نظامی، عطار، مولوی، سعدی، امیر خسرو، ابن یمین، حافظ، جامی، صائب، بہار) کے حالات زندگی اور کلام پر الگ الگ بحث اور تنقید کی گئی ہے۔ وہ ہر شاعر کے کلام کو اس کے ذاتی اور عصری حالات کے مطابق جانچتے ہیں۔ غیر فارسی ادب سے اس کے مصادیق تلاش کرتے ہیں اور پھر اسے داستان گوئی کے انداز میں کمال پختگی اور بلاغت کے ساتھ قارئین کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ نہ تو مضمون کو حوالوں کے ہجوم میں گم کرتے ہیں، نہ کرم خوردہ مخطوطات سے اختلاف نسخ میں الجھتے ہیں نہ پیشہ ور تذکرہ نویسوں کی نقل کرات کا انبار لگاتے ہیں، نہ سنین ولادت و وفات کے جزئی اختلاف کے چکر میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں نوجوانوں اور طالب نسلی علموں سے مخاطب ہیں۔ وہ تحقیق کے مزاج اور معیار کو سمجھتے ہیں اور ذہن کے نبض شناس بھی ہیں۔ استاد زرین کوب کہتے ہیں کہ شاعر کی سرگذشت اور اس کے ماحول پر تحقیق اس کی تصانیف کے نسخوں کا مطالعہ، شاعر کے زبان و بیان پر اظہار خیال۔ یہ سب اپنی جگہ پر اہم ہے مگر جب اس میں افراط آجاتے گا تو قارئین، خاص طور پر نوجوان حقیقی ادب سے دور ہو جائیں گے اور جو ادب مطلوب و مقصود نہیں ہے۔ اس کی جستجو میں بھٹکتے پھریں گے۔

یہاں اس وقت "با کاروان حلہ" کا اُردو ترجمہ موسوم بہ " از گلستان عجم " پیش نظر ہے اور ہمارا مقصد متن کے محتویات کے بجائے اردو ترجمہ کی کیفیت پر تبصرہ کرنا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اصل کتاب اپنے منفرد اسلوب، تنقید اور دل نشیں طرز بیان کے باعث اس قابل ہے کہ اس کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ چونکہ اس کتاب میں مذکور سبھی شعرا کو برصغیر میں بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا رہا ہے۔ لہذا اس کتاب کا اردو ترجمہ دوہرے فوائد کا حامل ہے اور یہ مفید کام جدید زبانوں کے قومی تدریسی ادارے، اسلام آباد کے شعبۂ فارسی کے دو اساتذہ نے انجام دیا ہے۔

ترجمہ کسی بھی زبان سے کیا جائے، وہ بنیادی طور پر انتقال افکار کا ذریعہ ہوتا ہے اور جب ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا جاتا ہے تو اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اردو کو ایسی اصطلاحات بھی مل جاتی ہیں، جن کے لئے عموماً ہم انگریزی زبان کی طرف دیکھتے ہیں۔

زیرِ نظر ترجمہ کئی جہات سے سود مند ہے۔ اولاً منتخب فارسی شعراء کے ذاتی حالات اور کلام کے ایسے محاسن اور معائب ایک متوازن نقطۂ نظر کے ساتھ سامنے آگئے ہیں، جن پر ہمارے ہاں ان شعراء سے عقیدت مندی کی بناء پر کبھی توجہ ہی نہیں دی گئی۔ ثانیاً پاکستانی جامعات کے فارسی امتحانات خاص طور پر تنقید کے پرچے میں طالب علموں کو مواد دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکل درپیش تھی۔ اس کا ازالہ ہوگیا ہے۔ ثالثاً تنقید کا ایک منفرد اسلوب متعارف ہوا ہے اور اگر اردو ادبیات میں بھی اس قسم کی تنقید کو رواج دیا جائے تو یقیناً روایتی تنقید سے بے زار قاری اردو ادب کے (از سرِ نو) مطالعہ کے لئے کوئی گرانی محسوس نہیں کرے گا۔

استاد زرین کوب نے تاریخ اسلام اور تصوف پر بھی اسی شگفتہ انداز میں کتابیں لکھی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ان کتابوں کا بھی اردو میں ترجمہ ہو جائے۔

زیرِ نظر ترجمہ چونکہ دو مترجمین نے مل کر انجام دیا ہے۔ اس لئے اس میں 'دو رنگی' موجود ہے بعض جگہوں پر ترجمہ بے حد رواں اور سلیس ہے اور کئی ایک مقامات پر محل نظر ہے۔ یعنی نفس مضمون سے دور ہے یا فارسی الفاظ و عبارات کا درست ترجمہ نہیں کیا گیا یا اردو زبان و بیان کے اعتبار سے کمزور ہے اور بعض مقامات پر فارسی جملات کا ترجمہ قلم انداز ہوگیا ہے۔ ہم کچھ مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

الف۔ نفس مضمون سے دُور ترجمہ

مترجمین نے اپنے اسلوب ترجمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولف کے خیالات کی بہتر صورت میں ترجمانی کے لئے جہاں ضروری ہوا، وہاں لفظی ترجمہ کیا ہے اور جہاں یہ مقصد آزاد ترجمے سے پورا ہوتا تھا، وہاں آزاد ترجمہ کیا گیا ہے .... یہ یقیناً ایک متوازن روش ہے مگر ہمارے خیال میں اگر مولف کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کے ادبی سلوک کو بھی ترجمے کے ذریعے محفوظ رکھا جائے تو ایسا ترجمہ کامیاب ترین ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں کچھ ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جسے نہ تو آزاد ترجمہ کہا جا سکتا ہے نہ نیم آزاد۔ بلکہ یہ متن سے متغایر چیز ہے۔

۱۔ استاد زرین کوب نے منوچہری کے حالات میں لکھا ہے: جہان با سیمای تیرہ و اندوہناک نیز گاہ

گاہ روی بد می نماید. جہاں کہ از درد کسان رنج نمی برد و متاثر نمی گردد. وقتی شاعر از گزرگاہ بلاہا و دردہا میگذرد غبار درد و رنج را بر سر و روی خویش احساس می کند۔

مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ؛ تاریک اور ڈراؤنے چہرے اکثر اس کا پیچھا کرتے ہیں جب شاعر رنج و مصائب سے بھری اس دنیا سے جو کسی کی تکلیف اور غم سے متاثر نہیں ہوتی، گزرتا ہے تو اپنے سر اور چہرے کو گرد و غبار سے اٹا ہوا محسوس کرتا ہے۔ (ص ۵۴)

ہمارے خیال میں نفس مضمون سے نزدیک رہتے ہوئے مذکورہ فارسی عبارت کا اردو ترجمہ یوں ہونا چاہیئے ؛ دنیا بھی اپنا تاریک اور اندوہناک چہرہ کبھی کبھی اسے دکھاتی ہے۔ وہ دنیا جسے انسانوں کے درد سے نہ تکلیف پہنچتی ہے، نہ وہ اس سے متاثر ہوتی ہے۔ شاعر جب صدموں اور مصیبتوں کے راستے سے گزرتا ہے تو اپنے چہرے اور سر پر درد اور رنج کی گرد محسوس کرتا ہے۔

۲۔ سنائی کے باب میں استاد زرین کوب نے اس عہد کے سماجی حالات کے خاص پس منظر میں ایک پیراگراف ماضی استمراری کے صیغے میں لکھا ہے اور اس کا سارا حسن اسی انداز میں ہے مگر مترجمین نے اس تمام پس منظر کو فعل حال کے صیغے میں بیان کر کے نہ صرف اس عبارت میں پوشیدہ اجتماعی نکات کو نظر سے اوجھل کر دیا ہے بلکہ مصنف کے حسن تحریر کو بھی متاثر کیا ہے۔ فارسی میں یہ عبارت " اما آنجا کہ دلی از ہیبت و ہول این دغدغہ محنت خیز بیدار می شد ...... سے شروع ہو کر " امید بقا و دوام بود " پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں سے ایک ٹکڑے : اگر فراموشی از جان و دل مرد رخت می کشید پریشانی و بے قراری در آن قرار می یافت و در ہمان حال انسان بشکنجہ ای عظیم، تلخ و دردناک، محکوم بود، کا ترجمہ ملاحظہ ہو ؛

آدمی کے قلب و روح سے اگر فراموشی اپنا رخت سفر باندھ لیتی ہے تو بے قراری اور بے چینی اس میں گھر کر لیتی ہے اور اس حالت میں انسان ایک اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (ص ۱۴۴ ۔ ۱۴۵)

۳۔ عطار کے حالات میں استاد زرین کوب نے لکھا ہے ...... از روی آثار عطار نمی توان تاریخ زندگی او را با وقت و اطمینان بیان کرد. خاصہ کہ بعضی از این آثار ... فی المثل مظہر العجائب یا وجوہر الذات کہ بنام عطار یافتہ است از او نیست و ہمین جاست کہ بعضی محققان در بیان احوال

اناداناہ:

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے : عطار کی تالیفات سے اس کی سوانح عمری پوری صحت اور صداقت کے ساتھ مرتب نہیں کی جا سکتی خاص کر مظہر العجائب جیسی کتابوں سے جو اس کے نام سے منسوب و مشہور ہیں ۔ اس کے (؟ = اس لئے) بعض محققین کو بھی غلط فہمی ہوتی ہے حالانکہ یہ عطار کی تصنیف نہیں ہے ۔ (ص ۲۲۱)

میرے خیال میں اس عبارت کا مصنف کے بیان کردہ مفہوم سے نزدیک ترجمہ یوں ہو سکتا ہے ، عطار .... مرتب نہیں کی جا سکتی ۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ ان میں سے بعض کتابیں ۔ مثلاً مظہر العجائب ۔ عطار کے نام منسوب و مشہور ہونے کے باوجود ، اس کی نہیں ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ (ان منسوب کتب پر اعتبار کرتے ہوتے) بعض محققین عطار کے بارے میں غلطیوں کا شکار ہوتے ہیں ۔

۴۔ جامی کے تذکرہ میں مصنف نے لکھا ہے : وزیر او امیر علی شیر صاحب عزای واقعی شد و مرگ او را برای خویش مصیبتی بزرگ شمرد ۔

مترجمین نے " صاحب عزا شدن " کا ترجمہ " سوگوار " کیا ہے ۔ (ص ۲۵۴) یہ صحیح نہیں ہے ۔ دراصل صاحب عزا وہ شخص ہوتا ہے ۔ جس کے پاس لوگ مرنے والے کی تعزیت کے لئے آئیں ۔ جامی اور امیر علی شیر کا باہمی تعلق اس قدر گہرا تھا کہ جامی کی وفات پر اس کے اخلاف یا قرابت داروں کے بجائے امیر علی شیر وہ شخص قرار پایا ۔ جس سے لوگ اظہار تعزیت کریں ۔ اس کیفیت کا مفہوم صرف لفظ " سوگوار " سے ادا نہیں ہو سکتا ۔

۵۔ صائب کے بارے میں لکھا ہے : صائب شعر بسیار داشتہ است ۔ اس کا ترجمہ یوں ہوا ہے : صائب نے بہت عرصہ تک شاعری کی ۔ حالانکہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ صائب نے بہت اشعار کہے ہیں ۔ اس لئے وہ ان کی تعداد پر بھی بحث کرتا ہے ۔

صائب ہی کے باب میں ایک جملہ ہے : دی از عدم ۔ از نیرو دانای ہندوان ۔ وحشت دارد ۔ اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے ۔ اسے عدم اور ہندوؤں کے نیروانا سے وحشت ہوتی ہے ۔ حالانکہ مصنف نے لفظ عدم کے بعد دو ڈیش ۔ ۔ کے درمیان جو لفظ لکھا ہے ۔ اس سے مراد

یہ ہے کہ عدم یعنی ہندوؤں کی نیروانا۔ لہٰذا مترجمین کی طرف سے لفظ عدم کے بعد "اور" کا اضافہ زائد ہے۔

ب۔ فارسی لفظوں اور عبارتوں کا کمزور ترجمہ۔

۱۔ ناصر خسرو کے بارے میں ایک عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے، اسے جریر، حسان ابونواس اور بحتری سے پرخاش ہے۔

لفظ پرخاش "مہارات" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ مہارات کا مطلب برابری اور ہم چشمی ہے۔ یعنی ناصر خسرو کو مذکورہ عرب شعراء سے برابری کا دعوےٰ تھا۔

۲۔ سنائی کے زمانے کے صوفیوں کا حال بیان کرتے ہوتے استاد زریں کوب نے لکھا ہے: صوفیان دَمی می جستند و از آن دَم ہیچ قدم فراتر نمی نہادند۔ اور مترجمین نے یہ ترجمہ کیا ہے، پیر فقیر جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کے کاروبار میں مصروف تھے۔ (ص ۱۴۵) اصل اور ترجمے میں جو بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ وہ بالکل واضح ہے۔ مصنف تو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس زمانے کے صوفیا نے جدوجہد کو اس حد تک ترک کر رکھا تھا کہ وہ دَم (= وقت، لحظہ ایک لمحۂ فرصت) کی تلاش میں رہتے تھے اور اس دَم (لمحۂ فرصت، لمحۂ موجود) سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتے تھے۔

۳۔ جامی کے حالات میں استاد زریں کوب نے لکھا ہے: اما در آنجا (بغداد) گرفتار تہمت و تعصب عوام شیعہ شد و در یک مجلس انبوہ ناچار شد خود را از اسناد عداوت نسبت بخاندان پیغمبر کہ مخالفانش بوی دادہ بودند تبرئہ کند۔ مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: دوران قیام اس پر شیعوں کے ساتھ متعصب ہونے کا الزام لگایا اور ایک بھری مجلس میں اہل بیت سے دشمنی کے لگائے الزامات سے اپنے آپ کو بری ثابت کرنے کے لئے ثبوت پیش کرنا پڑا۔ (ص ۳۵۶)

یہاں بھی مترجمین نے فارسی عبارت کو اپنے ہی انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ مصنف نے لکھا ہے کہ جامی بغداد میں عوام شیعہ کی طرف سے تعصب اور تہمت کا شکار ہوتے اور ناچار خود کو ایک بھری مجلس میں ان حوالوں سے بری ثابت کرنا پڑا جو ان کے مخالفوں نے اہل بیت کے تئیں جامی

کی عداوت میں جامی سے منسوب کرتے تھے۔

۴۔ صائب کے حالات میں لکھا ہے: بسیاری از شاعران وقت نیز از بازاریان بودند۔ اور اس کا اردو ترجمہ یوں کیا گیا ہے: بہت سے شاعران وقت کے اشعار میں بھی بازاری رنگ آچکا تھا۔ (ص ۳۶۷) حالانکہ مصنف نے تو یہ کہا ہے کہ اس وقت کے بہت سے شعراء بازار کی صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔

ج ۔ قلم انداز ہونے والے الفاظ و عبارات

۱۔ ناصر خسرو کے باب میں صفحہ ۹۵ پر اس فارسی جملے کا ترجمہ نظر نہیں آتا: وذکر نام کسائی در اشعار او بی شک تا حدی بہمین نکتہ راجع است۔

۲۔ صفحہ ۱۰۰ پر: واما وصف این قلعہ ہا و داستان عمری کہ در پشت دیوارہای سنگین و خاموش این زندانہا گذشتہ است: کا ترجمہ تو تحریف و تخذیب کی صورت میں ہوا ہی ہے۔ (= ان مستحکم اور خاموش زندانوں کی روداد جن اشعار میں بیان کی گئی ہے) مگر اس کے بعد کے فقرہ: مرثیہ ای بی پایاں بر عمری کہ بیہودہ قربانی ترس و ہوس بیجای خود کامگان و ستمکاران شدہ است، کا سرے سے ترجمہ ہی نہیں ہوا۔

۳۔ سنائی کے تائب ہونے کے واقعہ کے ضمن میں ایک جملہ یہ ہے: در سبب توبہ بسیاری از مشائخ داستانہا نقل شدہ است۔ اس کے ترجمے میں "سبب توبہ" قلم انداز ہوگیا ہے، جو اس واقعہ اور جملے کی خصوصیت ہے۔

۴۔ صفحہ ۳۶۸ پر لکھا ہے، وزیر وقت نے ایک شعر کا جواب موصول ہونے پر اس کو پانچ ہزار روپے بھجوائے۔

یہ انعام شعر کا جواب موصول ہونے پر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ "شعر کے جواب" میں ارسال کیا گیا تھا۔ "در پاسخ شعری کہ از وی دریافتہ بود ...."

۵۔ جب اوزن حسن نے جامی سے تبریز میں رکنے کی درخواست کی تو: جامی نپذیرفت و ملازمت مادر پیر خویش را کہ درین سفر با وی بود، بہانہ آورد۔ ترجمے میں اس بات کا ذکر نہیں ہے

کہ جامی کی والدہ بھی سفر میں ان کے ساتھ تھیں۔ (ص ۳۵۰)

۶۔ صائب کے حالات میں اس جملے کا ترجمہ نہیں ہوا: وقتی صائب بدربار صفوی پیوست شاہ عباس دوم بر تخت بود (ص ۳۶۸)

۷۔ صائب ہی کے باب میں آگے چل کر اس فقرے کا ترجمہ بھی قلم انداز ہو گیا ہے: وسلطان صفوی اشعار وی را با آنہا ہدیہ می فرستاد (ص ۳۶۸)

بعض مقامات پر اردو ترجمے میں بہتری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ "لیکن بدبختی اور ذلت کا منحوس سایہ بھی ہر طرف اپنا پر پھیلائے ہوئے تھا۔ (ص ۵۱) کو لیکن بدبختی اور ذلت کا منحوس سایہ بھی ہر طرف پھیلا ہوا تھا، ترجمہ کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔

۲۔ "لوگ خوش وخرم تھے اور سنہرے خوابوں میں غرق تھے" (ص ۱۴۵) خوابوں میں کھو جانا محاورہ ہے غرق ہونا نہیں۔

۳۔ "لیکن انہیں میں ایک ایسا شخص بھی تھا" (ص ۱۴۶) انہیں کی بجائے ان ہونا چاہیئے۔

۴۔ ص ۳۵۲ پر فارسی الفاظ تخت رواں' اور 'عیار' کا ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ انہیں بعینہٖ استعمال کر لیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ان دونوں الفاظ کا علی الترتیب "پالکی" اور "شعبدہ باز" نہایت موزوں ترجمہ ہے۔

۵۔ اس کی زندگی کا غالباً بیشتر حصہ گوشہ نشینی میں گزرا۔ (ص ۳۶۹) اس جملے میں لفظ "غالباً" زائد ہے۔ فارسی جملہ اس طرح تھا، غالباً عمر بگوشہ گیری می گذرانیدہ است۔ فارسی میں غالباً سے مراد "بیشتر" ہوتا ہے۔ جب کہ اردو میں یہ "شک" کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۶۔ حقہ اور تمباکو کی تعریف میں اس نے ایک قطعہ نثر میں تحریر کیا ہے۔ (ص ۳۶۹) قطعہ سے نظم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کی بجائے "اس نے ایک عبارت نثر میں تحریر کی ہے" لکھا جاتا، تو زیادہ موزوں ہوتا۔

ترجمے کے اس ایڈیشن کی خصوصیت وہ ضمیمہ ہے جو مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے لکھا ہے۔ اس میں "با کاروان حلہ" کے مصنف کی بعض تاریخی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

* الهادی الحاجب من جنازۃ الغائب (اردو ترجمہ)
مؤلف : امام احمد رضا خاں بریلویؒ
ترتیب و تدوین : مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری
ادارہ غوثیہ رضویہ، کرم پارک مصری شاہ لاہور، ۱۷ ص، ۱۹۸۸ء۔

* التنویر لدفع ظلام التحذیر (یعنی مسئلہ تکفیر)
مؤلف : ابوالفضل غلام علی قادری اشرفی،
ادارہ غوثیہ رضویہ، لاہور۔ ۶۶ ص، ۱۹۸۸ء

* سماع الجبیب من البعید والقریب (اردو)
مصنف : قاضی غلام محمود ہزاروی۔
ادارہ اشاعت العلوم، افغان سٹریٹ، وسن پورہ، لاہور، ۲۳ ص، ۱۹۸۸ء۔

* حدیثِ نورؐ (اردو)
مصنف : قاضی غلام محمود ہزاروی،
ادارہ اشاعت العلوم، لاہور، ۴۵ ص، ۱۹۸۸ء۔

* خوارقُ العادات (اردو، فارسی)
یعنے بعضے کرامات سید حسنؒ (فارسی)
از سید غلام بن حضرت سید محمد عابد بن حضرت سید شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ،
مترجم : (فیقر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی۔
یکہ توت، پشاور، ۹۲ ص، ۱۹۸۸ء۔

* طبی فیضان (یعنی مجموعہ مجربات و معمولات حضرات اولیا کرامؒ)
مرتبہ : حکیم سید اکرم حسین شاہ سیکری۔
خانقاہ عالیہ چشتیہ، ڈیرہ نواب صاحب بہاولپور، ص ۱۶، ۱۹۸۸ء۔

* DREAMS FORGOTTEN (انگریزی)

AN ANTHOLOGY FO INDO - PERSIAN POETRY

مؤلفہ : پروفیسر وارث کرمانی ۔
شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۔
کتاب خانۂ شیراز، اللہ والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱، یوپی انڈیا، ص ۴۶۲،
۳۵ امریکی ڈالر ۔

پروفیسر وارث کرمانی ادبیات فارسی کے نامور محقق اور شاعر ہیں ۔ ان کا خصوصی میدان تحقیق فارسی ادب اور شاعری میں سبک ہندی ہے ۔ اس سلسلے میں ان کے کئی ایک مقالات بھارت اور بیرون بھارت شائع ہو چکے ہیں جن میں " ENCYCLOPAEDIA IRANICA " کولمبیا یونیورسٹی امریکہ بھی شامل ہے ۔ غالب شناسی پر ان کی دو کتابیں EVALUTION OF GHALIBS POETRY اور TRADITION OF RATIONALISM IN GHALIB شائع ہو چکی ہے جو اپنے انداز کا واحد کام ہے ۔

زیر نظر کتاب فارسی شاعری سے متعلق پچھلی ۹ صدیوں کا سکیچ ہے ۔ اس میں ۹۲ شعراء کا کلام بمعہ ان کے سوانحی خاکوں کے شامل ہے ۔ مؤلف نے اسے اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ یہ شعرا کے مجموعہ کلام تک محدود نہیں رہی بلکہ وہ عمرانی اور سیاسی عوامل نکھر کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں ۔ جن کی وجہ سے فارسی زبان برصغیر ہندو پاک میں داخل ہوئی اور یہاں کی معاشرت میں ایک عرصہ رچی بسی رہی ۔

* مختصر حالات حضرت مُلّا الٰہی بخش چشتی آمیری ؒ
مرتبہ : شاہ اکرام حسین سیکری ۔
مکتبہ چشتیہ، حیدرآباد، ص ۲۷، ۱۹۷۸ء/ ۱۳۹۸ھ ۔

* مختصر حالات حضرت شاہ اکبر علی چشتی ؒ
مرتبہ : شاہ اکرام حسین سیکری
مکتبہ چشتیہ، حیدرآباد، ص ۱۶، ۱۹۸۱ء/ ۱۴۰۱ھ

* گلزارِ عقیدت

مرتبہ:۔ شاہ اکرام حسین سیکری۔

* خزینۂ درود پاک (اردو، عربی)

مرتبین:۔ میاں عبدالمجید صاحب، مشتاق احمد، قاضی عبدالقدوس، گلشن۔

مشتاق احمد مکان نمبر ۸۷ بی یونٹ نمبر ۲ لطیف آباد، حیدرآباد، ص ۱۰۴، ۱۹۸۸ء۔

۹۲۹ درود پاک کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے شروع میں ان کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

* گستاخِ رسول کی سزا قتل۔

مرکزی مجلسِ رضا، پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶ لاہور، ص ۳۲، ۱ روپیہ کے ڈاک ٹکٹ۔

یہ رسالہ علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کا ایک تحریری بیان ہے جو انہوں نے جناب چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت کے استفسار پر تحریر کیا تھا۔ جس میں اہانتِ رسالت مآبؐ اور تنقیصِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کے بارے بتایا گیا ہے کہ تصریحاتِ علمائے امت سے واضح ہے کہ ہر شاتمِ رسولؐ کی سزا قتل ہے۔ اس مسئلہ میں اہلِ حق میں کوئی اختلاف نہیں۔

* ماہنامہ روحانی پیغام (اردو)

مدیر: پروفیسر افتخار احمد چشتی۔

نزہت منزل، چنیوٹ بازار، فیصل آباد، ص ۱۶، ۵ روپے۔

* تذکرہ فریدیہ (اردو)

مؤلف: مولانا محمد مشتاق احمد چشتی صابری انبیہٹویؒ۔

پیش کردہ: پروفیسر افتخار احمد چشتی ہمدی سلیمانی۔

چشتیہ اکادمی، فیصل آباد، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء، ۶۴۔

* مختصر حالاتِ زندگی حضرت شاہ شمشاد حسین چشتی سیکری

مرتبہ:۔ شاہ اکرام حسین سیکری۔

مکتبہ چشتیہ، سیکر ہاؤس ۳۲۱، ای بلاک، یونٹ نمبر ۹، لطیف آباد، حیدرآباد، ص ۲۴، ۱۹۷۸ء

دانش

فصلنامه رایزنی فرهنگی

جمهوری اسلامی ایران . اسلام آباد

- گرایشهای تازه در شعر و ادب فارسی.
- پژوهشهای پیرامون ادبیات فارسی و ایران شناسی در شبه قاره.
- مقالات دربارهٔ اشتراکات فرهنگی درمیان ایران و شبه قاره.
- نقد و معرفی کتابها مربوط به فرهنگ اسلامی، ادبیات فارسی و ایرانشناسی.

رایزنی فرهنگی
جمهوری اسلامی ایران
خانه ۲۵، کوچه ۲۷، ایف ۲/۶
اسلام آباد ـ (پاکستان)

علمی سرگرمیوں کا

خبرنامہ

دو روزہ بین الاقوامی حافظ شیرازی کانفرنس

۱۳، ۱۴ دسمبر ۱۹۸۸ء کو لاہور میں دو روزہ حافظ شیرازی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس یونیسکو اور رایزانی فرہنگی سفارت جمہوری ایران، اسلام آباد کے اشتراک سے منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے علاوہ ایران اور افغانستان کے محققین نے بھی شرکت کی۔ پہلے اجلاس میں جن مقالہ نگار حضرات نے مقالے پڑھے، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی، اسلام آباد
۲۔ ڈاکٹر اصغر دادبہ، تہران۔
۳۔ ڈاکٹر ساجد اللہ تفہیمی، کراچی
۴۔ ڈاکٹر احمد تمیم داری، اسلام آباد۔
۵۔ ڈاکٹر خانم حکیمہ دبیران، تہران
۶۔ ڈاکٹر صدیق شبلی، اسلام آباد۔

دوسرا اجلاس جو ۱۴ دسمبر کو منعقد ہوا۔ اس میں مندرجہ ذیل محققین نے اپنے مولفات پڑھے۔

۱۔ ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام، لاہور
۲۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اسلام آباد۔
۳۔ ڈاکٹر محمد ظفر خاں، جھنگ
۴۔ سید عارف نوشاہی، اسلام آباد۔
۵۔ ڈاکٹر صابر آفاقی، مظفر آباد
۶۔ ڈاکٹر مہدی درخشاں، تہران۔
۷۔ ڈاکٹر کتابی
۸۔ ڈاکٹر محمد علوی مقدم، مشہد
۹۔ ڈاکٹر وحید قریشی۔

یہ دو روزہ کانفرنس جہاں اپنے انتظامات کی وجہ سے لائقِ دادِ تحسین ہے۔ وہاں چند ایک پہلو حد درجہ کمزور رہے کیونکہ جن مقاصد کے لئے ایسی کانفرنسیں منعقد کرائی جاتی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان

ہیں سے سوائے اس کے کہ ایک زرِ کثیر حافظ شیرازی کے نام سے لٹانا تھا، سو لٹا دیا گیا۔ کوئی مطلب برآری نظر نہیں آئی۔ ہمیں سب سے بڑی حیرت اس امر پر ہوئی۔ جب سٹیج سیکرٹری صاحب ہر مقالہ نگار سے وقت کم لینے کی درخواست کرتے۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں محققین اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرنے آتے ہیں۔ اس ضمن میں جب فارسی ادبیات کے نامور محقق جناب سید عارف نوشاہی نے اس جانب توجہ دلاتے ہوئے چند تجاویز پیش کیں کہ مقالہ نگار حضرات کو پورا وقت دیا جائے اور اس طرح کے اجتماعات میں سیاسی لوگوں کو مدعو نہ کر لیا جائے کیونکہ ان کے جلدی جانے کی وجہ سے محققین کو جلدی نمٹایا جا رہا ہے جو سراسر زیادتی ہے، تو ہال میں بیٹھے ہوئے اکثر سامعین نے ان کی پرزور تائید کی۔ سٹیج سیکرٹری صاحب کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے اس کی مخالفت میں دلائل دینے شروع کر دیے۔ حالانکہ یہ ایک تجویز تھی، کوئی آرڈر نافذ نہیں کر دیا گیا تھا۔

دوسرا تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ دعوتی کارڈوں کی تقسیم میں شاید کوئی معیار نہیں رکھا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس طرح کے لوگ بھی ہال میں پہنچ گئے۔ جن کا داد دینے کا انداز اس قدر غلط تھا کہ یہ ایک علمی کانفرنس کم اور کالجوں کی سالانہ تقریب بزم ادب زیادہ لگ رہی تھی۔

سب سے زیادہ دکھ ہمیں یہ دیکھ کر ہوا کہ ہال سے باہر حافظ شیرازیؒ کے کلام سے متعلق چند مخطوطات اور مطبوعات کی نمائش تھی اور اس پر دونوں دن مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان کے ریسرچ سکالر اور فارسی ادبیات و کتابیات کے نامور محقق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کی ڈیوٹی لگائی گئی اور وہ دونوں دن لوگوں میں کانفرنس سے متعلقہ پمفلٹ بانٹتے رہے۔ ہماری رائے میں یہ امر علم دوستی کے بالکل منافی ہے اور ہم اس کے لئے صدائے احتجاج بلند کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اہل علم کی ایسی ناقدری کر کے ہم کوئی علمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات صاحبانِ علم کو خراج عقیدت پہنچانے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔

پتہ کی تبدیلی

ادارہ سہروردیہ فی مخزن علوم اسلامیہ کا نیا پتہ یہ ہے:

جہانگیر پارک، غوثیہ سٹریٹ نمبر ۱، مکان نمبر 35/A، نیو شاد باغ، لاہور۔

ادارہ سلسلہ سہروردیہ پر خصوصاً اور عام اصلاحی و تبلیغی لٹریچر عموماً شائع کر کے مفت تقسیم کرتا ہے۔ اب تک کی شائع شدہ کتابوں کا مختصر تعارف یوں ہے :

۱۔ مشائخین سہروردیہ ۲۔ سیاح الامکاں

۳۔ دخترِ ملت ۴۔ WOMAN IN ISLAM

۵۔ MOHAMMAD MEETS THE CREATOR

ادارہ کے تاحیات مؤسس جناب حضرت صوفی ابو نصیر محمد نذیر غوری سہروردی مدظلہ ہیں۔

باقی اراکین درج ذیل ہیں۔

۱۔ ناظمِ اعلیٰ : قبلہ حکیم میاں عبدالغفور عرشی مدظلہ،

۲۔ ناظم : ڈاکٹر محمد نعیم اقبال،

۳۔ ناظمِ مالیات : محمد سبحان

۴۔ مجلس عاملہ : ۷، اراکین پر مشتمل ہے۔

۵۔ مجلس تحریر و تحقیق :

مسندِ علی ہجویری (جو پچھلے کئی سالوں سے مقفل پڑی ہے)

علمی حلقوں میں یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ بھارت کے شہر چنڈی گڑھ میں بابا فریدؒ چیئر اور ہریانہ میں محمد بخشؒ (صاحب سیف الملوک) چیئر پچھلے کئی سالوں سے کام کر رہی ہے مگر ملک خداداد پاکستان جو ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا، اس کے ایک شہر مدینۃ الاولیاء لاہور، جس کی ایک وجۂ شہرت حضرت علی ہجویریؒ (المعروف داتا گنج بخش) قدس سرہٗ کا نام نامی بھی ہے، ان کے نام پر قائم ہونے والی مسندِ علی ہجویری پچھلے کئی سالوں سے مقفل پڑی ہے۔ کتنے دُکھ اور شرم کی بات ہے کہ ہندو اور سِکھ ہمارے بزرگوں اور اسلاف پر تحقیقی کام کریں اور ہم جن کی طفیل مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں، ہمارے افعال یہ ہیں۔

جسٹس محمد صدیق چوہدری مرحوم کی سعی سے ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۰ء کے درمیان پنجاب یونیورسٹی میں اس وقت یہ مسند قائم ہوئی۔ جب ڈاکٹر آفتاب اصغر شعبہ فارسی کے چیئرمین تھے۔ ڈاکٹر بشیر حسین اس مسند کے پہلے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سال بھر بعد ان کی وفات ہو گئی تو ڈاکٹر محمد اکرم شاہ اکرام موجود پرنسپل اورنٹیل کالج کو اس مسند کا عبوری نگران بنا دیا گیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے نگران چلے آرہے ہیں۔ اس پوسٹ کا اعلان نہ ہی اخباروں میں کیا جاتا ہے تاکہ کوئی اور اس مسند کی ذمہ داری سنبھالے اور نہ ہی خود کوئی کام کیا جا رہا ہے۔ جب کہ محکمہ اوقاف ایک لاکھ روپیہ ہر سال حضرت علی ہجویریؒ قدس سرہٗ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے برابر گرانٹ کی صورت میں یونیورسٹی کو دے رہا ہے۔

اس ضمن میں کئی بار اخبارات میں بھی صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی مگر اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ سہروردیہ فاؤنڈیشن کے ایک اجلاس میں اس ضمن میں ایک قرارداد پاس کی گئی ہے۔ جس میں صاحبان عقد و حل کو اس جانب متوجہ ہونے اور اس کا مثبت حل نکالنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ہم گورنر و وزیر اعلیٰ پنجاب سے اس امر میں مداخلت کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ کیا حضرت علی ہجویری قدس سرہٗ کی سعی کا یہی نتیجہ ہے۔

سید خضر عباسی نوشاہی کی بھارت روانگی

کتابیات اور فہرست نگاری کے نامور محقق سید خضر عباسی نوشاہی بھارت روانہ ہو گئے ہیں آپ اس علمی دورے میں علی گڑھ اور دہلی جائیں گے۔ جہاں وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے کتب خانوں کا دورہ بھی کریں گے۔ موصوف دو فہرستوں کے مؤلف بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتابخانہ دانشگاہ پنجاب، لاہور۔ گنجینۂ آذر۔

۲۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی، ہمدرد لائبریری، کراچی۔

دو فتوت نامے

تحریکِ جوانمردی (فتوّت) تصوّف کی ایک شاخ ہے۔ اس موضوع پر مستقل تصانیف موجود ہیں۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے دو فتوت ناموں کا اُردو ترجمہ اقبالؒ اور شاہ ہمدانؒ شناسی کے نامور محقق ڈاکٹر محمد ریاض (مدیر شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی) نے کیا ہے۔ دونوں رسالوں کا یہ اردو ترجمہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے اور یہ سعادت سہروردیہ فاؤنڈیشن کے حصّے میں آ رہی ہے۔

روانگی برائے عمرہ

نگران مجلّہ سہرورد حضرت صوفی ابوالفیر محمد نذیر غوری سہروردی مدظلہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ جملہ اراکین فاؤنڈیشن ان کی صحت و سلامتی کے لئے دعاگو ہیں اور ان سے ملتمس ہیں کہ زیارت حرمین شریفین اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے وقت وہ اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیں۔

آپ کے ہمراہ جانے والے ساتھیوں میں محمد سبحان سہروردی، چوہدری امتیاز احمد سہروردی اور محمد یٰسین سہروردی شامل ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کا حامی و ناصر ہو۔

وفیات

اہلیہ محترمہ ڈاکٹر ظفر علی راجہ

نامور وکیل، شاعر، مزاح اور کالم نگار ایڈیٹر "اسلامک لاء جرنل" کی اہلیہ طویل علالت کے بعد وفات پا گئیں۔ ان کی وفات پر ہم راجہ صاحب کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ مرحومہ کو اللہ تعالےٰ جنتِ فردوس میں جگہ دے اور راجہ صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ "سہرورد" کے ابتدائی شمارے جناب ڈاکٹر ظفر علی راجہ صاحب کی زیرِ ادارت نکلے تھے۔

★ کیپٹن واحد بخش سیال

اربابِ متصوّفین کی ذمّہ داریاں

مکرمی ! واحد بخش سیال کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ کچھ عرصہ بیشتر ان کی طرف سے ایک خط ملا ۔ جس میں انہوں نے موجودہ دور کے تناظر میں اہل تصوف کی ذمہ داریوں کا جائزہ بڑے درد اور پُر اثر انداز سے لیا ہے ۔ نذر قارئین کرتے ہوئے یہ امید کی جاتی ہے کہ جو احباب اُن کے خیالات سے اتفاق کریں ، وہ اُن کے اِس مشن کو بڑھانے میں معاونت بھی فرمائیں ۔ (سُہروردی)

مکرمی و محترمی سیّد اویس علی سہروردی صاحب سلمہٗ

آجکل بھٹکی ہوئی دنیا کو اگر کوئی چیز مکمل تباہی سے بچا سکتی ہے تو وہ روحانیت اسلام (تصوف) ہے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کو جس قدر دنیا میں ترقی اور وسعت حاصل ہوئی وہ اولیاء کرام کی مساعی جمیلہ سے ہوئی ہے اور اسلام کو جس قدر انحطاط ہوا ہے ۔ وہ علمائے ظواہر کی تصوف سے روگردانی کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ انہوں نے ظاہری رسومات کو اسلام نام دیا اور روحِ اسلام کو خارج از بحث کر دیا ۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک بے جان ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہے ۔

یاد رہے کہ عصر حاضر میں مسلمانان عالم کو دو محاذوں پر دشمنان اسلام کا سامنا ہے ۔ ایک فوجی محاذ اور دوسرا روحانی محاذ ۔ جہاں تک فوجی محاذ کا تعلق ہے ۔ اگرچہ اسلامی دنیا میں اقوام مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے بے پناہ مادی و روحانی وسائل موجود ہیں ۔ ان کو یکجا کرنے اور

★ مؤلف ، (۱) روحانیت (۲) پاکستان کی عظیم دفاعی قوت (۳) مشاہدۂ حق (۴) مقابیس المجالس (۵) مرۃ الاسرار (۶) وحدت الوجود (۷) مقام گنج شکر (۸) ISLAMIC SUFISUM

بروئے کار لانے میں کافی وقت درکار ہے اور ہماری فوجی قوت کچھ عرصہ کے لئے اقوام مغرب کی فوجی قوت سے کم رہے گی لیکن ہماری طرف سے تیاری کی اشد ضرورت ہے۔
اس مہم کو سرانجام دینے کی تجویز اور عظیم تر پاکستان کے قیام اور اس کی نظریاتی سرحدوں کے تعین و تحفظ کے لئے اس احقر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے۔ " پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت "۔ امتِ مسلمہ کے بہی خواہوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔
جہاں تک روحانی محاذ کا تعلق ہے۔ اس محاذ پر ہم دشمنان اسلام سے زیادہ طاقتور ہیں اور اولیائے اسلام مثل امام غزالیؒ، ابن عربیؒ اور دیگر صوفیائے کرام کی تصانیف سے متاثر ہو کر یورپ اور امریکہ میں لوگ کثرت سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جب بھی وہاں ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ ان کی دفاعی لائن میں ایک شگاف پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے جوں جوں لوگ اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں۔ ان کی دفاعی لائن میں شگاف زیادہ سے زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کی روحانی دفاعی لائن ختم ہو جائے گی اور مسلمان ان کے عقب میں پہنچ جائیں گے۔ اس وقت دشمنان اسلام کی توپیں، جو انہوں نے اپنی سرحدوں پر نصب کر رکھی ہیں، خود بخود ٹھنڈی پڑ جائیں گی۔ اولیاء کرام کی پیش گوئیاں بھی یہی کچھ بتا رہی ہیں اور حالات کا رُخ بھی اُسی نصب العین کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ روس اور چین جیسے دہریہ ملکوں میں بھی اب خالص مادیت کے ردعمل کے طور پر روحانیت اسلام کے شوق کی لہر دوڑ گئی ہے اور سرکاری تجربہ گاہوں میں سرکاری ڈاکٹر اور ماہرین فن سائنس کے ذریعے روح انسانی کا کھوج لگا رہے ہیں اور روح کی عظیم الشان قویٰ سے کام لے رہے ہیں اور معمولی قسم کے کشف و کرامات انجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مثلاً ٹیلی پیتھی کے ذریعے خبر رسانی، روحانی قوت سے وزنی اشیاء کو حرکت دینا۔ زمین سے ایک آدھ انچ اٹھ کر ہوا میں معلق ہو جانا، دُور کی آوازیں سننا اور دور کی چیزیں بغیر آلات کے دیکھنا وغیرہ، جیسے معمولی فوق العادت امور سرانجام دیتے رہے ہیں جو ہمارے اولیاء کرام کے یہاں مداری کا تماشا اور بچوں کے کھیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح یورپ و امریکہ میں آج کل روحانیت کے تجربات ہو رہے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان ممالک کے لوگ اب مادیت اور لادینیت کی گھٹن والی فضا سے سخت تنگ آچکے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کثرت سے خودکشی اور مالیخولیا کی واردات ہو رہی ہیں اور اب وہ سکون قلب حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کی تصانیف کی ورق گردانی کر رہے ہیں اور سکون قلب حاصل کر کے اسلام قبول کر رہے ہیں۔

قرون وسطیٰ میں جب براعظم یورپ عیسائیت کے خلاف عقل IRRATIONAL اور خلاف فطرت UNNATURAL عقائد و نظریات کی وجہ سے بدترین قسم کی جہالت، بربریت اور تاریکی میں پھنس چکا تھا۔ یہاں تک کہ اس دور کو تاریخ یورپ میں "دور تاریک" DARK AGES کا نام دیا گیا ہے تو عین اسی وقت مسلم سپین کی طرف سے شاندار اسلامی تہذیب و تمدن کی درخشندہ شعائیں یورپ کے مقفل دروازے توڑ کر اندر داخل ہوئیں۔ جن کو دیکھ کر یورپ کے دانش وروں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہوں نے عیسائیت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ اہل یورپ کی عیسائی مذہب کے خلاف یہ بغاوت اسلامی نوعیت کی تھی اور اسلام کی طرف ایک قدم تھا۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے بغاوت کے سب سے بڑے لیڈر مارٹن لوتھر کو "سگِ محمدؐ" DOG OF MOHAMMAD کا لقب دے دیا تھا لیکن چونکہ یورپ کے عوام پادریوں کے مظالم اور خرافات سے تنگ آچکے تھے اور مذہب کے نام سے بھی بیزار ہو چکے تھے۔ جب ان کی بغاوت کامیاب ہوئی تو انہوں نے صرف اسلام کے صرف ان اصولوں کو اپنایا۔ جن کا تعلق مادی ترقی اور سائنس کے نشوونما کے ساتھ تھا لیکن انہوں نے اسلام کی روحانی اور دینی تعلیم کو ترک کر دیا کیونکہ مذہب کے نام سے وہ لرزاں اور گریزاں تھے۔

اب کیا ہوا۔ بغاوت کے بعد اقوام یورپ اپنے مذہب کی قیود سے آزاد ہو کر خالص مادی ترقی اور قومی برتری National Superiority کی دوڑ میں مبتلا ہو گئیں۔ ان کی یہ دوڑ اب تک جاری ہے اور آخر انہوں نے ایٹم بم پر جا کر ٹھوکر کھائی ہے۔ جس کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر ان کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہے اور اب وہ نہیں جانتے کہ کس طرح اس خود ساختہ دیو سے نجات حاصل کریں۔

بالفاظ دیگر ان کی موجودہ تہذیب (اگر اسے تہذیب کہا جائے تو) ایک طرفہ ONE SIDED اور متزلزل ہو کر رہ گئی ہے جو تباہی کے جراثیم سے پُر ہے اور ساری دنیا کو لپیٹ میں لے کر تباہی کے گڑھے کی طرف تیزی سے جا رہی ہے۔ چنانچہ اگر اس کو کوئی چیز اب بچا سکتی ہے تو وہ روحانیت اسلام ہے۔ جس کو انہوں نے قرون وسطیٰ میں ترک کر دیا تھا اور جس کی عدم موجودگی کی وجہ سے اب اقوام مغرب سخت ترین اور بدترین بحران، قلبی بے قراری اور ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب روحانیت کی پیاسی مغربی دنیا کے لوگ آج پھر سے اولیاء کرام اور مشائخ عظام کی روحانی تعلیمات کا ان کی تصانیف میں کھوج لگا کر اپنی پیاس بجھا رہے ہیں اور اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس وقت لوہا خود بخود بہ فضلہٖ گرم ہے اور ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم گرم لوہے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

یہ ہے عصر حاضر میں مسلمانوں کا کام اور نظریۂ پاکستان کا حقیقی مطلب اور ذمہ داری، آپ نے ادارہ سہروردیہ قائم کر کے وقت کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا آپ کی اور ہم سب کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ہم دنیا میں خاص طور پر مغربی دنیا میں، جن کا بھوت دنیا پر سوار ہے، روحانیت اسلام کو ترویج دینے کی کوشش کریں اور اولیاء کرام کی تصانیف کے زیادہ سے زیادہ انگریزی زبان اور دیگر زبانوں میں تراجم کرا کر شائع کریں ؎

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

اس وقت دنیا اولیاء کرام کی تعلیمات کی پیاسی ہے۔ اس لئے ہم پر یہ فرض ہے کہ ان کی پیاس بجھائیں۔ اگر ہم نے تاریخ کے اس اہم موڑ پر غفلت کی تو خداوند عزوجل کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ نظریۂ پاکستان کا مطلب یہی ہے۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدیں صرف چار صوبوں تک محدود نہیں بلکہ جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں تک پاکستان کی حدود پھیلی ہوئی ہیں۔ ہمارے آجکل کے علماء، حکمرانوں اور سیاست والوں سے

تو مغربی تعلیم سے آراستہ قائداعظمؒ زیادہ اسلام کی حقیقت سے آگاہ تھے۔ جب کسی نے ان سے سوال کیا کہ "آپ کے خیال میں پاکستان کب وجود میں آسکتا ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ،

"پاکستان اس وقت سے وجود میں آگیا تھا۔ جب پہلے مسلمان نے سرزمین ہند پر قدم رکھا"۔

لہٰذا طارقؒ کا نعرہ کہ

"ہر ملک، ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست"۔

بالکل صحیح اور عین اسلامی تھا۔ پاکستان رسولِ عربیؐ کے قائم کردہ پاکستان کے نقوش قدم پر قائم ہوا تھا اور وہی نصب العین لے کر آیا ہے جو رسولِ عربیؐ کا پاکستان لے کر آیا تھا اور ہم نے وہی مقاصد پورا کرنے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین نے اسلام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلانے کے لئے پورا کئے۔

★ سید محمد اسماعیل

اسلامی نظامِ معیشت اور عصرِ حاضر کے تقاضے

ہم پاکستانی مسلمان اپنے معاشرہ میں جسقدر خرابیاں آج دیکھ رہے ہیں۔ شاید ہی کبھی اتنی خرابیاں پہلے کبھی نظر آئی ہوں۔ تکوین پاکستان کے وقت ان میں سے بہت کم برائیاں موجود تھیں۔ بعد میں ہی ان میں روز افزوں اضافہ ہوا۔ سن رسیدہ لوگ جنہوں نے قیام پاکستان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس وقت کے معاشرہ میں موجود اور بعد میں منودار ہونے والی رسوم و روایات کو بڑھتے گھٹتے دیکھا۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ پاکستانی معاشرہ مسلسل رو بہ انحطاط ہوتا چلا گیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا علماء دین نے وعظ و نصیحت میں کوئی کوتاہی کی یا ان کی طرف لوگوں نے کم توجہ دی۔ جن لوگوں نے علماء دین کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ کیا وہ سبھی جاہل لوگ تھے یا دنیوی علوم سے بہرہ ور بھی ان میں بکثرت شامل تھے۔ اگر ایسے لوگ بھی شامل تھے اور ہیں تو اس سے کیا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے؟

علماء تاریخ ہمیں یہی بتاتے ہیں کہ جب کسی انسانی معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے تو اس بگاڑ کا اہم ترین سبب اس معاشرہ کے معاشی نظام میں نقائص ہوا کرتے ہیں۔ معاشی احتیاج ہر فرد اور ہر خاندان کو لاحق ہے۔ اگر انہیں حصول معاش کے لئے جائز ذرائع میسر نہ آئیں تو وہ ناجائز طریقے اپنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چوریاں اور ڈاکے ڈالنے لگتے ہیں اور اپنی حفاظت کے لئے چھری، چاقو، پستول، بندوق اور دیگر ہتھیار استعمال کرنے لگتے ہیں۔ یہ کیفیت تو ان افراد کی ہے جو ذاتی اور خاندانی احتیاج کی تکمیل سے محروم ہو کر ان برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن بہت سے

★ ریٹائرڈ چیف آڈیٹر، پی آئی ڈی سی۔ تاریخ پیدائش : ۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء۔

مولف : (i) رسولِ عربی اور عصرِ جدید۔ (ii)

(ii) A CRITICAL STUDY OF CAPITALISM SOCIALISM AND ISLAMIC ECONOMIC ORDER.

ایسے لوگ بھی ہیں جو فارغ البال ہونے کے بعد اپنی وافر دولت کو اور بڑھانا چاہتے ہیں. وہ سمگلنگ اور منشیات کی تجارت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں کیونکہ ان ذرائع سے دولت دن دوگنی رات چوگنی ہو جاتی ہے. اس طرح وہ لوگ حد سے بڑھی ہوئی ہوس زر کی تسکین قانون شکنی اور عوام کی محنتوں پر ڈاکے ڈال کر کرتے ہیں. جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب اشغال ناقص نظام معیشت کی پیداوار ہیں. اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ معاشرہ میں بگاڑ کا ذمہ دار ملک کا ناقص معاشی نظام ہوتا ہے. دوسرے اسباب بھی بلا شبہ معاشرہ کے انحطاط میں شریک ہوا کرتے ہیں لیکن معاشی اسباب کا ان سب پر غلبہ ہوا کرتا ہے. اس لئے ہم ذیل میں اپنے ملک میں مروجہ معاشی نظام کا ایک سرسری جائزہ لے کر بتائیں گے کہ ہمارے موجودہ معاشی نظام کی جڑ بنیاد کس چیز پر ہے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ اس غلط معاشی نظام کو ختم کرنے کے لئے آپ کو کوئی لمبا چوڑا انتظام کرنے کی بجائے صرف اس کی جڑ پر تیر چلانا ہی کافی ہوگا

دنیا میں اس وقت دو معاشی نظام رائج ہیں. ایک کو سرمایہ داری نظام کہتے ہیں اور دوسرے کو سوشلسٹ نظام. سرمایہ داری نظام کی بنیاد سرمایہ پر ہے. جس کے پاس سرمایہ ہے. وہ خود اس سرمایہ کو اپنے ملک میں تجارتی، صنعتی اور زرعی ترقی کے کاموں میں استعمال کرنے کی بجائے اسے بطور سودی قرض ان لوگوں کے حوالے کرتا ہے جو صنعت وتجارت اور زراعت کے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں. اس مالی مدد کے صلے میں سرمایہ دار ایک مقررہ شرح سالانہ پر اس قرض کا سود وصول کرتے ہیں. صنعت، تجارت اور زراعت پیشہ لوگ اس سود کا بوجھ خود نہیں اٹھاتے، وہ اُسے اپنی پیداوار کی قیمت میں شریک کرکے اس بوجھ کو عوام پر ڈال دیتے ہیں جو ان کی مصنوعات اور پیداوار خریدنے پر اس لئے مجبور ہیں کہ وہ زندہ رہ سکیں اور باعزت زندگی گزار سکیں. سرمایہ داری نظام نے دنیا والوں کو قرض کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے تمام عالم میں بینکاری کا ایک ایسا جال بچھا رکھا ہے کہ کسی ملک کا کوئی شہر اور قصبہ اس جال سے باہر نہیں رہا. لوگ اپنی اقتصادی ترقی کیلئے سودی قرضے لیتے ہیں اور جلد از جلد دولت مند بن جانے کی ہوس میں مبتلا رہتے ہیں. اس طرح یہ سودی قرضے مہنگائی بھی بڑھاتے ہیں اور ہوس زر بھی. سرمایہ دارانہ نظام معیشت کو انگریزی میں [illegible] کہتے ہیں اور اس کا انحصار سود پر ہے. اگر سود کسی ملک میں قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے تو اس ملک میں سرمایہ دارانہ نظام چل ہی نہیں سکتا، خود بخود ختم ہو جاتا ہے کار ل

مارکس جو سوشلزم کا موجد تھا۔ اس نے سرمایہ دارانہ نظام کا گہرا مطالعہ کیا۔ لازماً اس نظام کی جڑ بنیاد سود پر بھی اس کی نظر پڑی ہو گی لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ نظری طور پر اس جڑ کی نشان دہی کر دینے سے وہ اس نظام کا کیا بگاڑ لے گا۔ اس لئے اس نظام کے خاتمے کی غرض سے نظام کو نہیں نظام چلانے والوں کو اپنا ہدف بنایا اور کمیونسٹ پارٹی بنا کر صنعتی اور زرعی مزدوروں کو اس نظام کے چلانے والوں کے خلاف اکسانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

آج ساری دنیا تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک سرمایہ داری نظام کے علمبردار ہیں، دوسرے سوشلسٹ نظام کے، تیسرے طبقے میں بشمول پاکستان وہ پسماندہ ممالک ہیں۔ جنہیں یہ دونوں دیوہیکل ممالک اپنے اپنے حلقہ اثر میں رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان جو سرمایہ داری نظام میں مبتلا ہے، پرامن طریقہ سے اس نظام کو خیرباد کہہ سکتا ہے کیوں نہیں، یہ عین ممکن ہے۔ اگر پاکستانی عوام حقیقت حال سے بخوبی آگاہ ہو جائیں اور کمر ہمت باندھ لیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن اس جہاد کے لئے سر پر کفن لپیٹ کر نکلنا ہو گا کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے محافظ بے رحم بھی ہیں اور سخت گیر بھی۔

آمدم برسر مطلب، سود کی اس قدر مخالفت کیوں ؟

اس مخالفت کی دو وجوہ ہیں۔ ایک اس کی نامعقولیت، دوسرے اسلام میں اس کی شدید ممانعت۔ سود کے جواز میں سب سے بڑی دلیل یہی دی جاتی ہے کہ سودی قرضے ملک کی اقتصادی ترقی میں مدد کرتے ہیں لہٰذا ایسے قرضے بھی اپنے صلے کے مستحق ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اگر ملک کی اقتصادی ترقی اتنی ہی عزیز ہے تو اہل ملک سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے کارخانے لگا کر، خود زرعی ترقی میں حصہ دار بن کر اپنا صلہ کیوں نہیں حاصل کرتے، سودی قرضہ دینے پر ہی کیوں مصر ہیں جبکہ وہ خود کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ اسلام کے اکثر و بیشتر احکام کے پابند ہیں تو حرمت سود کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ بیرونی ممالک کے سودی قرضوں نے تو پاکستانی عوام کی پشت ہا پشت کو گروی رکھ لیا ہے۔ کیا یہ تباہی انہیں نظر نہیں آتی، جو وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو مزید دعوت دینا چاہتے ہیں۔ کیا اس موضوع پر انہیں قرآن پاک کی تعلیم کا علم نہیں ؟ اسلام تو سود کے خلاف کھلم کھلا جہاد کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان مسلمانوں کے خلاف جو اس ظالمانہ طریقہ کار کو چلاتے ہیں اور اس سے

باز نہیں آتے ۔ قرآن پاک یہ دھمکی دے رہا ہے کہ وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا خمیازہ بھگتیں گے ۔ قرآن کریم کے تیسرے پارہ میں سورۃ البقرہ کی آیات (۲۷۵، ۲۷۹) میں سب مذکور ہے ۔ متعلقہ آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے ؛

" اور اللہ تعالےٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا اور سودی لین دین کو حرام قرار دیا ۔ پس جن لوگوں تک یہ نصیحت نامہ پہنچا اور وہ ممنوعہ کام سے رک گئے تو انہیں گذشتہ جائز اور ان کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے حوالے لیکن جنہوں نے تکرار کیا اور نافرمانی کی ۔ وہ جہنمی ہیں اور وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالےٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقوں کو جاری کر کے پھیلاتا ہے اور اللہ انکار کرنے والے گنہ گاروں کو پسند نہیں کرتا ۔ اے ایمان والو ! خدا تعالےٰ سے ڈرو اور رہا سہا سود لینا دینا چھوڑ دو ۔ اگر تم مومن ہو ۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا یہ چیلنج ہے "

اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے اس چیلنج کی اہمیت کو ہم نے نظر انداز کیا اور انفرادی اور قومی دونوں حیثیتوں میں سودی قرضوں میں بھرپور مبتلا ہوئے ۔ اس حد تک کہ اب سودی قرضوں کے بغیر ہمارے کاروبار چل ہی نہیں سکتے ۔ ان ہی کی وجہ سے ہم اسراف اور مہنگائی میں ایسا گھرے کہ جو چیز ۱۹۴۷ء میں ایک روپیہ میں ملتی تھی ۔ اب دس پندرہ روپے میں بھی نہیں ملتی ۔ غریب لوگ حصول رزق کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرنے پر مجبور ہیں ۔ اور دولت مند اپنی جائز و ناجائز طور پر حاصل کردہ دولت کی نمود و نمائش کے ذریعہ متوسط طبقہ کو دولت مند بننے کی تحریص میں مصروف نظر آتے ہیں ۔ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اس غلط نظام نے ہی تو رشوت کے دروازے کھلے ہیں ۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جائز ضرورتوں کی تکمیل کے لئے حصول رزق کے ذرائع کا عدم وجود اور دولت کی غلط تقسیم ساری اخلاقی برائیوں کو جنم دیتے ہیں ۔ اسی لئے ایسے معاشی نظام کو خدا تعالےٰ نے مٹا دینے کا حکم دیا ہے ۔ اس حکم نے ہم سب مسلمانوں پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالی ہے اور یہ ذمہ داری دفاع ملک کی ذمہ داری سے کسی طرح کم اہم نہیں لیکن ہم نے قیام پاکستان سے لے کر اب تک اس موضوع پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا کہ اس ذمہ داری سے کیسے سبکدوش ہوا جائے ۔ لیکن توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اگر دل میں خوفِ خدا ہے اور نیت صاف ہے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

لَہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَحَسۡبُہٗ
(سورہ الطلاق کی آیات (۲ اور ۳) (پارہ اٹھائیس) (ترجمہ) جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کی مشکلات میں سے نکل جانے کا راستہ اللہ تعالےٰ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے رزق بھیجتا ہے۔ جن کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے کافی ہے۔

اگر ہم اس ہمت افزا کلام الٰہی پر یقین کرلیں تو سودی نظام کی بیخ کنی کوئی مشکل کام نہیں اور نہ ہی ہمیں اس ضمن میں انفرادی اور قومی مالی احتیاج کے لئے متفکر ہونے کی ضرورت ہے اور اللہ تعالےٰ خود مسبب الاسباب بن کر ہماری مدد کو ایسے راستوں سے پہنچے گا۔ جن کا ہمیں گمان بھی نہ ہو۔ آیئے ہم سرمایہ دارانہ سودی نظام کے خاتمہ کے لئے یہ پہلا قدم اٹھائیں کہ بینکاری کا انفرادی طور پر مقاطعہ کریں، نہ اپنا وافر پیسہ بنکوں میں جمع کریں اور نہ ہی بنکوں سے قرضے حاصل کر کے اپنے کاروبار کو ناجائز سرمایہ سے ملوث کریں۔ اپنی فاضل پونجی ہم اپنے گھروں کی تجوریوں میں محفوظ رکھیں اور اسی فاضل پونجی سے اپنے کاروبار بھی پھیلائیں اور صدقہ و خیرات کے کاموں میں بھی حصہ لیں۔ انشاء اللہ العزیز ہم اگلی صحبت میں سرمایہ داری نظام کی دیگر قباحتوں پر روشنی ڈالیں گے فی الحال فقط والسلام۔ وما علینا الا البلاغ۔



شاہ اکرام حسین شاہ (حیدرآباد سندھ)

قطعات تاریخ و مادہ ہائے تاریخ

حضرت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ
سال وفات ۱۹۳۸ء
ملی شاعر علامہ سر اقبال از جہاں رفت

۱۹ء ۳۸

حضرت لعل شہباز قلندرؒ سیون شریف
سال وصال۔ ۲ شعبان ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء
سال وصال، مومن کامل، لعل شہباز قلندر

۱۲ء ۷۴

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ
سال وصال ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء
سال وصال سید جلال الدین بخاریؒ

۱۲ء ۹۱

مورث اعلیٰ سادات سنگھانہ حضرت حاجی سید ابراہیم بغدادیؒ

سال وصال ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء

سال وصال پاک نگاہ الحاج سید ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

۹۲ ۱۴ء

مشہور خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سال وفات ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء

لوحِ سال وفات سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

۶۱ ۱۹ء

حضرت مولانا سید شریف الدین شرافت نوشاہیؒ

سال وفات ۴۔ جولائی ۱۹۸۳ء

سال وفات فصیح مولانا سید شریف احمد نوشاہیؒ

۸۳ ۱۹ء

جناب حکیم محمد حسین عرشی امرتسری

سال وفات ۴۔ جون ۱۹۸۵ء

(۱) آہ، حکیم فرزانہ، حکیم محمد حسین عرشی، رفت

۸۵ ۱۹ء

(۲) سال وفات، واصل حق، حکیم محمد حسین عرشی مرحوم

۸۵ ۱۹ء

سلطان ہند اورنگ زیب عالمگیرؒ

سال وفات ۲۱ فروری ۱۷۰۷ء

سال وفات، زندۂ جاوید اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ہند

۱۷۰۷ء

حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ

سال وصال ۔ ۱۳۔ ماہ ربیع الاول ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء

سال وصال، زندہ دل، ہادی النفوس علی احمد صابر کلیریؒ

۹۱ ۱۲ء

سال تعمیر شاہجہانی مسجد در شہر ٹھٹھہ سندھ

" سال تعمیر، حسنِ کبریا، شاہجہانی مسجد "

۴۴ ۱۶ء

حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ

سال وصال ۲۹۔ ربیع الآخر ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء

سال وصال، نور یقین، صوفی حمید الدینؒ ناگوری

۷۴ ۱۲

حضرت شاہ ولی محمد چشتی سیکریؒ

سال وصال ۔ ۵۔ ذیقعدہ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶٦ء

سال وصال، برہان حق، سیدنا شاہ ولی محمد چشتیؒ

٦٦ ۱۸ء

SOHARWARD

PUBLISHED BY:

SOHARWARDYIA FOUNDATION

115 McLeod Road, Lahore-54000 Pakistan

✆ 222784

"SOHARWARD" 1'5 McLeod Road, Lahore ✆ 222784

"سہروردیہ فاؤنڈیشن" سلسلہ سہروردیہ کی علمی اور ادبی کاوشات پر تحقیقات کے لئے حال ہی میں وجود میں آئی ہے اور سلسلہ سہروردیہ کے ٹھوس علمی کارناموں کی شایان شان نشر و اشاعت کے لئے منظم طریقے سے کام کرنے کا عزم رکھتی ہے ہم خیال احباب مندرجہ ذیل امور میں فاؤنڈیشن سے تعاون کر سکتے ہیں۔

✿ — کم از کم دس ضخیم جلدوں میں سلسلہ سہروردیہ کی مکمل تاریخ احوال و آثار کو جمع کرنے کا منصوبہ —— اس سلسلہ کتب کا کوئی مناسب اور باوقار نام آپ کے ذہن میں آئے تو ہمیں ارسال کیجئے کسی سہروردی بزرگ کے حالات زندگی۔ آثار، نایاب تصاویر، یادداشتیں یا کلام آپ کے پاس ہوں تو ہم مجوزہ تاریخ سلسلہ سہروردیہ میں انہیں شکریے کے ساتھ شائع کریں گے۔ کسی سہروردی بزرگ کی تحریر کا ترجمہ —— اردو انگریزی یا کسی بھی زبان میں آپ نے کر رکھا ہو یا اس سلسلے میں کوئی تحقیقی مضمون آپ نے تخلیق کیا ہو تو سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کے لئے ہماری خدمات حاضر ہیں۔

✿ — قدیم مخطوطات سہروردیہ —— کے زیر عنوان سہروردیہ سلسلے کے بزرگان علم و ادب کی قدیم قلمی کاوشات۔ ملفوظات اور نقوش کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ آپ کے پاس اگر کوئی مخطوطہ یا قدیم نقش موجود ہو تو ہمیں ارسال فرمائیں۔ آپ کا نایاب تحفہ اشاعت تک بطور امانت ہماری لائبریری میں رہے گا اور اشاعتی ضروریات مکمل ہونے پر شکریے کے ساتھ بحفاظت واپس کر دیا جائے گا۔

✿ — دنیا کی کسی بھی زبان میں لکھی ہوئی اگر کوئی ایسی کتاب آپ کی نگاہ سے گزری ہو جس میں سلسلہ سہروردیہ کو موضوع بنایا گیا ہو تو ہمیں اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیے۔ تاکہ اسے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ طبع کروایا جا سکے۔

✿ — فاؤنڈیشن کے ترجمان جریدے "سہروردیہ" کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کی ضخامت میں اضافہ کر کے اسے بہت جلد باقاعدہ ماہنامے کی صورت دے دی جائے گی۔ اس سلسلے میں آپ کا قلمی تعاون فاؤنڈیشن کے لئے باعث افتخار ہوگا۔

آپ کا تعاون، مشاورت، تجاویز، امداد اور عطیات فاؤنڈیشن کے عظیم منصوبوں کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے ضامن ہوں گے۔
آیئے اس نیک کام میں فاؤنڈیشن کے شانہ بشانہ کام کیجیے
آپ کی رہنمائی انشاء اللہ کلیدِ کامیابی ثابت ہوگی۔

مخلص:

سید اویس علی سہروردی
سیکریٹری جنرل

یکے از مطبوعات
سہروردیہ فاؤنڈیشن